
وجد
و
حال
بہزاد لکھنوی
S. IMTIAZ

وجد و حال

بہزاد لکھنوی

قیمت مجلّد
دو روپیہ

بناشر
نسیم بک ڈپو لکھنؤ
فون نمبر ۴۵۵۹

ناشر عزیز الرحمن (بار اول مارچ ۵۵ء) پرنٹر، سرفراز پریس لکھنؤ

عرضِ حال

مدتوں کے بعد میرا یہ مجموعہ ہندوستان سے شائع ہو رہا ہے، اس میں کیا کچھ ہے یہ آپ کو پڑھکر ہی معلوم ہوگا، مجھے نہ کبھی اُستادی کا دعویٰ تھا نہ ہے اور نہ انشاءاللہ کبھی ہوگا، میں جو کچھ نظم کرتا ہوں میری کیفیت ہے لہٰذا اس کے متعلق کچھ لکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔

خادمِ ادب
بہزاد، لکھنوی

انتساب

مَیں اس ناچیز مجموعے کو اپنے مُرشدزادے
حضرت حسن میاں صاحب قبلہ نظامی بنارسی
خلف الصدق مرشدی و مولائی محبوبِ حق امام السالکین
حضرت عزیز میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ
نیازیہ بریلی شریف کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔

"گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف"

ادبی کفش برادر
بہزاد لکھنوی
۹ر فروری ۵۵ء

حمد

ہے تو ہی الم ہے تو ہی خوشی تری شان جلّ جلالہٗ
تو ہی موت ہے تو ہی زندگی تری شان جل جلالہٗ

جسے چاہے ہوش میں لائے تو جسے چاہے مست بنائے تو
تو ہی ہوش دے تو ہی بیخودی تری شان جل جلالہٗ

تو ہی دَیر و بیتِ صنم میں بھی تو ہی بتکدے میں حرم میں بھی
ہے ترا ہی ذکر گلی گلی تری شان جل جلالہٗ

تو ہی رنگِ برگِ شجر میں ہو تو ہی غنچہ و گل تر میں ہے
یہی کہہ رہی ہے کلی کلی تری شان جل جلالہٗ

ترا ذکر ہی تو نماز ہے تری یاد ہی تو نیاز ہے
بڑی سہل ہے تری بندگی تری شان جل جلالہٗ

ترے فضل نے یہ پتا دیا، ترے لطف نے یہ بتا دیا
مری بے بسی نہیں بے بسی تری شان جل جلالہٗ

مجھے اپنے رنگ پہ ناز ہو، مری زیست صرفِ نیاز ہو
جو تری خوشی وہ مری خوشی تری شان جل جلالہٗ

نعت شریف

دُرود اُن پہ جو خود اپنا حال بن کے آ گئے
سلام ان پہ جو کرم خصال بن کے آ گئے

شفاعتوں کا تاج فرقِ پاک پر دھرے ہوئے
حضورِ کردگار میں سوال بن کے آ گئے

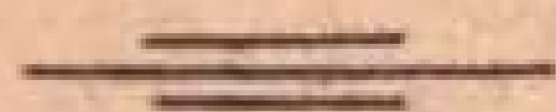
جو چھائی تھیں جہاں پہ ظلمتیں کمالِ کفر کی
فضائے دہر پر مہِ کمال بن کے آ گئے

جو چاہتے تھے دیکھنا خود اپنی جلوہ تابیاں
خود آپ اپنی آپ ہی مثال بن کے آ گئے

رہے نہ کس طرح بھلا دلوں میں آگ عشق کی
نگاہِ شوق کے لئے جمال بن کے آ گئے

یہی وہ سلسلہ ہے جس میں کوئی لاگ ہی نہ تھی
وہ عبد و کردگار کا وصال بن کے آ گئے

زہے کرم کہ منعمی کا سر اُٹھے گا کیا بھلا
وہ شاہ تھے مگر شکستہ حال بن کے آ گئے



(۱)

یہ موجِ شوق ہے خود کو انھیں موجوں میں بہنے دے
جبینِ عجز کو تا زندگی سجدے میں رہنے دے

نہ چونکا مجھ کو میری بے خودی سے پوچھنے والے
جو سنتا ہوں تو سننے دے جو کہتا ہوں تو کہنے دے

ارے اے چارہ گر یہ دل کی بے تابی غنیمت ہے
میں جس عالم میں ہوں مجھ کو اسی عالم میں رہنے دے

کسی کی بزم میں جاتا تو ہوں لغزیدہ لغزیدہ
مزہ جب ہے یہ مدہوشی نہ کہنے دے نہ سننے دے

غم جوشِ تمنا بھی غم ترکِ تمنا بھی
مجھے وہ غم بھی سہنے دے مجھے یہ غم بھی سہنے دے

مری کشتی کو حاجت ہے نہ طوفاں کی نہ ساحل کی
نہ اِن موجوں میں بہنے دے نہ ان موجوں میں بہنے دے

بتوں کی انجمن میں جبہ و دستار کا قصہ
خدا کے واسطے بہزاد ان باتوں کو رہنے دے

(۲)

وہ فغانِ نیم شب ہو کہ ہو آہ صبح گاہی
دلِ مبتلا ہے روشن ترے غم کی بے پناہی

ترے رُخ کا آئینہ ہے ترا پرتوِ ادا ہے
یہ مکان ماہ و انجم یہ جہانِ مرغ و ماہی

کوئی آج تک نہ سمجھا مری بے بسی کا عالم
تری رحمتوں میں گم ہے مرا عذرِ بے گناہی

مری عاشقی کا عالم تری یاد اور ترا غم
یہی میری بے نوائی یہی میری بادشاہی

تجھے کر رہی ہیں ظاہر تری بے نشانیاں بھی
تجھے پا نہ جائے اک دن انھیں منزلوں میں راہی

نہ حرم سے کام رکھا نہ تو بتکدہ سے میں نے
وہیں سر جھکا دیا ہے جہاں دل نے دی گواہی

میری منزلوں کا عالم کوئی میرے دل سے پوچھے
کبھی ہر طرف سکون ہے کبھی ہر طرف تباہی

میری خلوت انجمن ہے نہیں دشت یہ چمن ہے
مجھے کیا دکھا رہا ہے مرا ذوقِ خوش نگاہی

تری جلوتوں میں اکثر یہی سوچتی ہے دنیا
کسے ڈھونڈھتی ہو ہر سوں تری شان کبریائی

رہے تا بہ حشر قائم دلِ مبتلا کا عالم
رہے تا ابد سلامت ترے غم کی بادشاہی

یہ جبیں کا داغِ سجدہ کوئی اور شے نہیں ہے
سرِ بندگی ہے روشن یہ چراغ خانقاہی



(۳)

ہم کو دنیا کیوں سمجھتی ہے کہ ہم دیوانے ہیں
بات تو اتنی سی ہے اپنوں سے ہم بیگانے ہیں

اپنی اپنی آگ میں سب جل رہے ہیں اہلِ دل
شمع کے چاروں طرف پروانے ہی پروانے ہیں

ہوش میں سب ہی نظر آتے ہیں اہلِ میکدہ
جن کو ساقی کی تمنا ہے وہی مستانے ہیں

اپنے دل کا گوشہ گوشہ دیکھ لیں اہلِ نظر
کیا جہاں پر بت نظر آئیں وہی بتخانے ہیں؟

روح کی کیفیتوں میں گم ہے میری زندگی
اس کو کیا سمجھیں گے وہ جو ہوش سے بیگانے ہیں

میری چشمِ نم میں بھی ہے میری ہی رودادِ شوق
اس نگاہِ ناز میں بھی میرے ہی افسانے ہیں

ہم تو اے بہزاد ہیں بس اپنے ساقی کے غلام
یوں تو ساقی بھی بہت سے ہیں بہت میخانے ہیں

(۴)

غمِ دل تو افتاد ہے اور کیا ہے
مگر زیست برباد ہے اور کیا ہے
یہی چُپکے چُپکے مرے اشک بہنا
خموش ایک فریاد ہے اور کیا ہے
بُھلائے نہ بھولی وہ اول نگاہی
وہی ایک افتاد ہے اور کیا ہے
تمنا سے پُر ہو گیا گوشہ گوشہ
اسی سے دل آباد ہے اور کیا ہے
ہمیں تو بہارِ چمن ہی نے مارا
یہی رنگِ صیّاد ہے اور کیا ہے
کُھلے لب تو گویا کلی مُسکرائی
یہی حسنِ ارشاد ہے اور کیا ہے
تصور مگر شرط ہے دیکھیے تو
یہی نقش بہزاد ہے اور کیا ہے

(۵)

منزلِ نگاہِ شوق کو اب تک ملی نہیں
جس دن سے چل رہی ہے یہ کشتی تھمی نہیں
سجدے بھی کر چکا ہوں دعائیں بھی کر چکا
لیکن جنونِ عشق میں کوئی کمی نہیں
میں ہوں گناہ گار محبت کا کیا قصور
میں نے نظر اٹھائی نظر خود اٹھی نہیں
تیرے قدم پہ ہے جو مرا سر جھکا ہوا
ساقی یہ عین ہوش ہے یہ بیخودی نہیں
مجھ کو خوشی نہ دے مجھے غم دے نگاہِ لطف
کیا اس کا اعتبار ابھی ہے ابھی نہیں
مجھ بادیہ نشیں کو نہ پوچھا یہ کیا کیا
اے جانِ انجمن تری محفل جمی نہیں
بہزاد تلخیوں کو نہیں دیکھتے ہیں وہ
رونا ہے زندگی کا یہ میری ہنسی نہیں



(۶)

حسن و الفت کی بجز اس کے کوئی شرح نہیں
یہ تماشائے گماں ہے وہ تماشائے یقیں
جام دینا ہو تو دے جام نہ دینا ہو نہ دے
ہوش کی بات تو یہ ہے کہ مجھے ہوش نہیں
ہائے دنیائے محبت ترا عالم کیا ہے
نہ ستارے ہیں نہ ذرّے نہ فلک ہے نہ زمیں
ترے کوچے کو بھلا چھوڑ کے جاؤں میں کہاں
صبح کعبہ بھی یہیں شام کلیسا بھی یہیں
دیدۂ شوق کی تسکین کے ساماں ہیں ہزار
تیرے اک رنگ سے پاتا ہوں دو عالم رنگیں
کھوئی کھوئی سی نظر آتی ہے دُنیا مجھ کو
میرے عالم کو نہ پوچھو نہ گماں ہے نہ یقیں
موجِ طوفاں نے یہ بہزاد کیا کیا اندھیر
میری کشتی نظر آنے لگی ساحل کے قریں

(۷)

رہرد ہوں مگر ایسا رہرو اپنا ہی نشاں معلوم نہیں
آیا ہوں کہاں سے علم نہیں جاتا ہوں کہاں معلوم نہیں

سرمست بہاروں میں ہنسکر غنچے بھی کھلے کلیاں بھی کھلیں
جیسے کہ نگاہِ گلشن کو اندازِ خزاں معلوم نہیں

جب عشق کا دامن ہاتھ میں تھا اب شوق کا دامن ہاتھ میں ہے
جب سُود و زیاں کا علم تو تھا، اب سود و زیاں معلوم نہیں

انجام سے دل ہے بیگانہ، موجوں کی کشاکش میں گم ہوں
طوفاں کے وسیلے سے کشتی پہونچی ہے کہاں معلوم نہیں

سننے کے لئے بیتاب سے ہیں جو اہلِ خرد ہیں اہلِ نظر
کہتا ہوں تو کیوں رُک جاتی ہے رہ رہ کے زباں معلوم نہیں

دو راز ہیں میری ہستی کے اک تیرا توصّل اک فرقت
اک رازِ نہاں کا علم تو ہے اک رازِ نہاں معلوم نہیں

بہزاد تو ہوں پر رند نہیں مے نوش نہیں مے خوار نہیں
کیوں آیا ترے میخانے میں اے پیرِ مغاں معلوم نہیں

(۴)

مری رہروی بھی عجیب ہے کہ بدل رہا ہوں میں دم بدم
کبھی بڑھ رہا ہوں مثالِ رو کبھی چل رہا ہوں قدم قدم
کبھی سوئے دہر میں ہوں رواں کبھی ہوں رواں میں سوئے حرم
کبھی رٹ رہا ہوں خدا خدا، کبھی کہہ رہا ہوں صنم صنم
جو ہے لطف دوریٔ یار میں کہیں لطف وصل میں گم نہ ہو
اسی واسطے بڑھا اس طرف کبھی اک قدم کبھی دو قدم
مری زندگی تری یاد ہے مری روح اس میں بھی شاد ہے
میرے صبح و شام تو کھو گئے ترے زلف و رخ جو ہوئے بہم
تری چشم مست وہ جام ہے کہ نہ پینا جس کا حرام ہے
تری یاد عین نماز ہے ترا کفر دیں ہے تری قسم
نہیں اس کو کوئی زوال ہے یہ وہ ماہ اوجِ کمال ہے
یہ جو تو نے داغِ الم دیا ہے مرے لئے یہی مغتنم
میرا مقصدِ غمِ زندگی ہے تری رضا ہے تری خوشی
نہ تری جفا، نہ تری وفا، نہ ترا ستم، نہ ترا کرم

(۹)

جبینِ شوق بھرا ہیں جہاں جہاں لے کر
وہاں وہاں وہ گئے اپنا آستاں لے کر
نہ گمرہی کا خطر ہے نہ پیچ و خم کا خیال
گذر رہا ہوں میں خود اپنا کارواں لے کر
سناؤں تجھ کو میں کیا بے زبانیوں کی قسم
میں تیری بزم میں آیا نہیں زباں لے کر
کسی طرح سے پہنچ لیں گے تا بہ منزلِ شوق
چلے ہیں ساتھ ہیں ہم دل سا رازداں لے کر
کمالِ ہوش پہ غالب رہا شعور کا رنگ
حدِ یقیں سے گذرنا پڑا گماں لے کر
پہنچ گیا میں اکیلا ہی تا بہ منزلِ شوق
وہ رہ گئے کہ جو نکلے تھے کارواں لے کر
ترے نثار، کہ ناکام چشمِ شوق رہی
نقاب اُٹھی تو حجابوں کو درمیاں لے کر

یہاں تو صورتِ تصویر ہیں سبھی بہزاد
اُٹھے گا کون بھلا نقشِ جاوداں لے کر

(۱۰)

پی تو لی بے خودی نہیں جاتی
ہم سے تو بات کی نہیں جاتی
سجدے لاکھوں ادا کئے لیکن
حسرتِ بندگی نہیں جاتی
لاکھ مختاریاں ملیں لیکن
پھر بھی یہ بے بسی نہیں جاتی
اُٹھ ہی جاتی ہیں ہر طرف نظریں
دل کی یہ دل لگی نہیں جاتی
ہر ادا پہ ہے عالمِ صد حال
عشق کی سادگی نہیں جاتی
نگہِ لطف بھی رہی بے سُود
دل کی وارفتگی نہیں جاتی
ہم اسی حال میں ہیں اے بہزاد
خلشِ دائمی نہیں جاتی

(۱۱)

مے خانے میں ہر جانب ہونے لگی رُسوائی
ساقی یہ ملا ہم کو انعامِ شکیبائی

سُنتا ہوں کہ محفل میں کوئی بھی نہیں باقی
دُنیا سے نرالی ہے یہ انجمن آرائی

اے راہ روی مجھ کو وہ در ہی نہیں ملتا
مقصودِ دل و جاں ہے جس در کی جبیں سائی

بادِ سحرِ گلشن تسکین بداماں تھی
کلیوں کے تبسّم میں گم ہو گیا سودائی

اک اہلِ بصیرت نے یہ راز کہا مجھ سے
خاکِ قدمِ جاناں ہے سُرمۂ بینائی

یکساں ہے ہر صورت اک مستِ تماشا کو
وہ یار کی محفل ہو یا گوشۂ تنہائی

اے نقشِ قدم والے للّٰہ کرم فرما
ہر گام پہ جھکتا ہے مجبور جبیں سائی

جلووں سے نہیں مطلب صورت سے نہیں مطلب
یہ کس کی تمنا میں کھویا ہے تمنائی

بہزاد حزیں مجھ پر یہ راز کھلا آخر
خود میں ہی تماشا ہوں خود میں ہی تماشائی

(۱۲)

میری یہ بے خودئ شوق قابلِ احترام ہے
ہوش بجا نہیں مگر ہوش کا اہتمام ہے

اس کے نثار جائیے جس کی نظر کا کام ہے
ورنہ مجھے گماں تھا عشق بادہ بغیر جام ہے

روئے حسیں پہ منتشر گیسوئے نازنیں ہیں کیوں
کوئی کہے گا صبح ہے کوئی کہے گا شام ہے

میری نظر کے روبرو اُٹھی جونہی نقابِ دوست
کون و مکاں سمجھ گئے عشق کا کیا مقام ہے

پردہ نشینِ بے نشاں ترے حجاب کی قسم
تجھ کو عیاں ہی دیکھنا مری نظر کا کام ہے

مے کی ہے یاد اسی طرح توبہ فضول ہی ہوئی
دل کی شکستگی میں بھی رنگ شکستِ جام ہے

رُخ سے نقاب اُٹھائیے آئیے لطف بدوش آئیے
صبح بھی ناتمام ہے شام بھی ناتمام ہے

زاہدِ خشک کیا کرے، رندِ خراب کیا کرے
جبکہ دورنگئ حیات ایک نظر کا کام ہے

بادِ صبا کا رنگ بھی آبِ رواں کا ڈھنگ بھی
آپ کے اک خرام میں عالمِ صد خرام ہے

(۱۳)

نہ صورت اور نہ جلوہ دیکھنا ہے
نگاہوں کا تماشا دیکھنا ہے
ابھی تو منزلِ حیرت میں گم ہوں
ابھی کیا جانے کیا کیا دیکھنا ہے
کئے دیتے ہو دو عالم کو بے خود
تمہارا ابھی یہ اچھا دیکھنا ہے
جو خلوت ہے وہی جلوت ہے ناداں
تجھے کس کا تماشا دیکھنا ہے
دُہائی پیرِ میخانہ دُہائی
صنم خانے میں کعبہ دیکھنا ہے
اِدھر میں ہوں اُدھر وہ جلوہ آرا
کدھر کھنچتی دُنیا دیکھنا ہے
اُٹھاؤں کس طرح بہزاد ساغر
مجھے ساقی کا نشا دیکھنا ہے

(۱۴)

نرگسِ بیمار ہے میری طرح
حسرتِ دیدار ہے میری طرح
مَیں تو پی لیتا ہوں اِن آنکھوں سے مئے
کون بادہ خوار ہے میری طرح
چھاگئی کیا شامِ فرقت ہر طرف
کل جہاں بیدار ہے میری طرح
جانچ لو محفل کا عالم دیکھ کر
کس کو تم سے پیار ہے میری طرح
میرا عالم میری مستی ہے عیاں
کون سجدہ بار ہے میری طرح
آستانِ یار سے مَس ہوتے ہی
سر مرا سرشار ہے میری طرح
کیوں ہے اے بہزاد ساقی کی پکار
کیا کوئی مے خوار ہے میری طرح

(۱۵)

قدم قدم ہیں خلوتیں، قدم قدم ہے انجمن
نظر کے باب میں مجھے نہ سوءِ ظن نہ حُسنِ ظن
گذر رہا ہے ذرّوں سے بچائے اپنا پیرہن
ہے دشت سے ڈرا ڈرا فریب خوردۂ چمن
یہ اک تبسّمِ خفی جو ہے لبوں پہ موجزن
یہی ہے تیری سادگی یہی ہے تیرا بانکپن
اسے کمال سے غرض اسے مثال سے غرض
ترے یقیں سے دُور ہے گمان شیخ و برہمن
فضا بھی ہے بہار بھی، نسیم مشک بار بھی
مگر یہ دیکھتی ہے کیوں تجھی کو چشمِ یاسمن
کجا ایاز و غزنوی کجا یہ راہ دگر ہی
فریبِ بُت میں آگئی مگر نگاہ کوہکن
وہاں بھی میں اسیر تھا یہاں بھی پائے بند ہوں
قفس سے کم نہیں ہے یہ حصار بندیٔ چمن
یہ کوہِ عشق کاٹنا بھی کیا کوئی محال تھا
مگر بدل گیا تھا خود مزاج و رنگ کوہکن

(۱۶)

وہ جو بزم میں اپنی ہو کے جلوہ گر آئے
ہم کو دیکھنا یہ ہے ہم کسے نظر آئے
حُسن بھی تماشا ہے عشق بھی تماشا ہے
چاہتے ہیں یہ دونوں کوئی دیدہ ور آئے
ایک رنگِ ہستی میں ایک دورِ مستی میں
تم ہمیں نظر آئے ہم تمہیں نظر آئے
کیا ہمارے عالم میں انقلاب ممکن ہے
شام کس لئے آئے کس لئے سحر آئے
کیا انہیں کو تو رہبر پیچ و خم سمجھتا ہے
دیکھ اپنی منزل پر ہو کے ہم کدھر آئے
چھا گئیں وہ عالم پر نیم مستیاں توبہ
کس کی یہ تمنا تھی زلف تا کمر آئے
اس فسوں کا اے بہزاد راز کون سمجھے گا
جب بھی وہ نظر آئے سب کو ہم نظر آئے

(۱۷)

ہم تو سُنتے ہیں تم بے نشاں ہو
پھر یہ کیا بات ہے کیوں عیاں ہو
پھر تو جلنے کا ڈر ہی نہیں ہے
بجلیوں میں اگر آشیاں ہو
ان کو احوال کیوں کر سُنائے
وہ کرے کیا کہ جو بے زباں ہو
آؤ آنکھوں میں تم کو بٹھا لوں
تم تو دل میں مرے میہماں ہو
تم کو سجدہ کریں کیوں نہ میکش
تم ہی تو مرشدِ میکشاں ہو
کوئی کیوں کر حقیقت کو پائے
جب کہ ہر سمت شورِ گماں ہو
تم کو حاصل ہیں ساری مُرادیں
ہائے بہزاد تم کیوں تپاں ہو

(۱۸)

مخمور ہیں فضائیں پُرکیف ہیں نظارے
ہر ہر قدم پہ لغزش ہر ہر قدم سہارے
طوفان کہہ رہا ہے موجیں بتا رہی ہیں
یا ہم ہیں اِس کنارے یا ہم ہیں اُس کنارے
ناکامیوں سے پوچھو بربادیوں سے پوچھو
ہم کو خبر نہیں ہے کس نے کئے اشارے
یوں تو نہ آسکیں گی قابو میں یہ ہوائیں
یا تم بنو ہمارے یا ہم بنیں تمہارے
دَیر و حرم سے آگے کیا کوئی اور در ہے
بول اے جبینِ اُلفت سجدے کہاں گذارے
اُن کے کرم کے صدقے ان کی عطا کے قرباں
دامن میں آگئے ہیں کچھ پھول کچھ شرارے
بہزاد کیا بتائیں قسمت دکھا رہی ہے
دیکھے ہوئے مناظر سمجھے ہوئے نظارے

(۱۹)

گم میرے ارماں گم میری حسرت
ہائے محبت ، ہائے محبت
میرا ٹھکانا کوئی نہیں ہے
میں تو ہوں اک آوارۂ قسمت
تیرا ہی چہرہ تیری ہی زُلفیں
صبح محبّت ، شام محبت
میری یہ حالت کس کے تصدّق
میرا یہ عالم کس کی بدولت
آنکھ ہیں مستی ، لب پہ تبسّم
آپ تو بن کر آئے قیامت
کہئے تو اپنا حال سُنا دوں
بُھول گیا میں دل کی حکایت
راز نہ تم بہزاد یہ سمجھے
عشق ہے کُل عالم کی حقیقت

(۲۰)

یوں شمع سے کہنے لگا دیوانہ کسی کا
تو شمع کسی کی ہے میں پروانہ کسی کا

سنتا ہوں کہ چھایا ہے فضائے دو جہاں پر
اک نعرۂ یا پیرِ صنم خانہ کسی کا

تھا قصد کہ چھیڑوں دلِ مضطر کی کہانی
یہ کیا کہ میں کہنے لگا افسانہ کسی کا

یہ کیا ہے کہ شیشے سے اُڑی جاتی ہے صہبا
کیا ہوش میں آنے لگا مستانہ کسی کا

محفل کا یہ عالم ہے کہ پروانہ ہو جیسے
آیا ہے کچھ اس شان سے دیوانہ کسی کا

مستی سر مستی ہے کسی صاحبِ دل کی
پیمانہ بہ پیمانہ ہے پیمانہ کسی کا

بہزاد دعا دیتے ہیں ہم رندِ صبوحی
تا حشر سلامت رہے میخانہ کسی کا

(۲۱)

زہے بندہ نوازی پھر بشر کی آزمائش ہے
یہ تیرا رنگِ بے رنگی نظر کی آزمائش ہے
چلا جاتا ہوں پیچ و خم سمجھتا راہِ اُلفت کے
مجھے منزل سے کیا ہے راہبر کی آزمائش ہے
ترے رُخ پہ ہوا نے آج یوں گیسو جو بکھرائے
ترے صدقے میں یہ شام و سحر کی آزمائش ہے
مرے سینے میں اُٹھا ہے جو طوفاں دردِ پیہم کا
فغاں کا امتحاں ہے یا اثر کی آزمائش ہے
مجھے منظور ہر ٹھوکر، مجھے منظور ہر زحمت
زہے قسمت مرے ذوقِ سفر کی آزمائش ہے
وہ یہ سمجھے مرے تیروں سے اسکا جی نہیں بھرتا
میں یہ سمجھا مرے قلب و جگر کی آزمائش ہے
تم اے بہزاد کیوں سکتے میں ہو کیا بات ہے آخر
فسونِ جلوہ ہی ہر دیدہ ور کی آزمائش ہے

(۲۶)

جھُنکا جاتا ہوں یہ کیا شئے پلائی
دُہائی ہے مرے ساقی دُہائی
اگر تجھ میں کوئی خوبی نہیں ہے
فدا ہوتی ہے کیوں تجھ پہ خدائی
بندھی ہے آس یا گمُ ہوگیا ہیں
بہرصورت تمنّا مسکرائی
خیالوں میں وہ اب رہنے لگے ہیں
خدا حافظ غمِ دردِ جُدائی
مری منزل کہاں ہے یہ بتادو
کسی نے آج تک منزل نہ پائی
پریشاں ہو رہے ہیں بزم والے
تمھیں لازم ہے اب تو رونمائی
محبت کو میں اپنی جانتا تھا
مگر بہزاد یہ نکلی پرائی



(۲۳)

کچھ نہ ہونے پر بھی اس کو جلوہ گر دیکھا کئے
واہ رے ذوقِ نظر اہلِ نظر دیکھا کئے

جو شرابی تھے انھوں نے جام بڑھ کر لے لئے
اور مے کش صرف ساقی کی نظر دیکھا کئے

ان کی اک ادنیٰ ہنسی سے دونوں عالم ہنس پڑے
اُف یہ نظارہ جسے اہلِ نظر دیکھا کئے

ایک جلوے کی نہیں پابند چشمِ اشتیاق
دیکھنے والے تماشائے نظر دیکھا کئے

مچلی مچلی، بہکی بہکی، کھوئی کھوئی، بے حجاب
سینکڑوں عالم میں اک ان کی نظر دیکھا کئے

جس نے دل لوٹا، سکوں لوٹا، محبت لوٹ لی
وہ نظر، ہاں وہ نظر، ہاں وہ نظر دیکھا کئے

کیا خبر ہم کب چلے، کب ہم کو منزل مل گئی
ہم تو اے بہزاد رہبر کی نظر دیکھا کئے

(۲۴)

محبت میں کچھ کفر و ایماں نہیں ہے
گلی کون سی کوئے جاناں نہیں ہے

سلامت رہے ان کے جلووں کی بارش
نگاہوں کا عالم پریشاں نہیں ہے

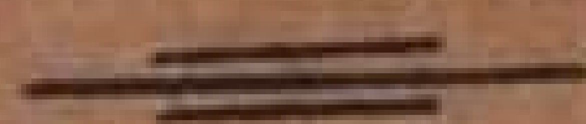
جبیں اے جبیں آ گیا کوئے جاناں
یہاں بے نیازی کا امکاں نہیں ہے

یہ آنسو تو ہے عکسِ صبحِ تمنا
یہ تعبیر خوابِ پریشاں نہیں ہے

تہی جام اک میکدے میں ہوں مَیں ہی
یہ کیا ہے جو ساقی کا احساں نہیں ہے

یہ راز ایک رہبر نے مجھ کو بتایا
وہ منزل ہے آساں جو آساں نہیں ہے

میں بہزاد کیوں خود کو کافر سمجھ لوں
ان آنکھوں میں کیا میرا ایماں نہیں ہے



(۲۵)

مارا ہوا ہوں اک نگہِ نیم باز کا
بھولا ہوا ہوں رنگ جہانِ مجاز کا

میں ہو گیا خموش تو محفل بھی ہے خموش
ادنیٰ سا رنگ ہے یہ مرے سوز و ساز کا

کہدو تو میں سجودِ محبت بکھیر دوں
کیا دیکھنا ہے ذوق جبینِ نیاز کا

گیسو کو اپنے دیکھ رہے ہیں وہ کیوں بھلا
یہ بھی تو عکس ہے مری شام دراز کا

وہ آ گئے نقاب اُٹھائے بصد ادا
شاید کہ وقت آ گیا دل کی نماز کا

میں ہوں کہ بیقرار ہوں دل ہے کہ مضطرب
شاید ادھر ہی رُخ ہے تری چشم ناز کا

بہزاد جس کی آنکھ میں جادو ہے سحر ہے
دامن ہے ہاتھ میں اسی بندہ نواز کا

(۲۶)

تم کو معلوم نہیں ہے میرا عالم کیا ہے
کون سے غم میں گرفتار ہوں میں غم کیا ہے

آج تو صرف ان آنکھوں نے پلائی ہے مجھے
آج کیا بات ہے اے لغزشِ پیہم کیا ہے

بے خودی کا مجھے الزام نہ دے اے ساقی
تجھ کو بھی اسکی خبر ہے مرا عالم کیا ہے

بکھرا بکھرا نظر آتا ہے ترا عالم کیوں
کچھ تو بتلا مجھے اے گیسوئے پُرخم کیا ہے

آہ اک آئی ہے لب تک میں اسے کیا سمجھوں
دل سے میں پوچھ رہا ہوں مرے ہمدم کیا ہے

اہلِ گلشن نے اسے راز میں رکھا شاید
گُل کو کیوں علم نہیں حسرتِ شبنم کیا ہے

وہ بھی حاصل ہیں تجھے دل کی تمنا بھی ہے تجھے
اب تو بہزاد بتا دے کہ تجھے غم کیا ہے

(۲۷)

سب ہوش کی اُلجھن ہے ساقی مطلوب بھی ہے تو جام بھی ہے
جب سے کہ ہمارے ہوش گئے تسکین بھی ہے آرام بھی ہے

اک نور کی ہے سب نیرنگی وہ برق ہو یا تنویر سحر
ہم عشق کہیں، تم حسن کہو یہ نام بھی ہے وہ نام بھی ہے

رحمت پہ نگاہیں ہیں سب کی بندہ کے تو بس میں کچھ بھی نہیں
اس بندہ نوازی کے صدقے تعزیر بھی ہے اکرام بھی ہے

کیا جانے حقیقت ہے کہ گماں اک عشق کا مارا کہتا تھا
اک آہ سرِ آغاز بھی ہے، اک آہ سرِ انجام بھی ہے

رحمت کے سوا تو اور ہے کیا اے نازکناں یہ راز بتا
ہر سانس ترا انعام بھی ہے ہر سانس ترا پیغام بھی ہے

میخانے کا عالم کیا کہنا ہے رند کی مستی ہی باقی
یک لحظہ فروغ بادہ بھی ہے یک لحظہ فروغ جام بھی ہے

اک نیم نگاہی نے تیری دنیا ہی بدل دی ہے دل کی
باہوش بھی ہے بے ہوش بھی ہے خوش کام بھی ہے ناکام بھی ہے

اک جام بہ ترک ہوش سہی، اک جام بہ قید ہوش سہی
ساقی کی نگاہوں میں رقصاں کچھ کفر بھی کچھ اسلام بھی ہے

اک سمت تصوّف کی باتیں، اک سمت محبت کی گھاتیں
بہزادِ حزیں کا کیا کہنا مشہور بھی ہے بدنام بھی ہے

(۲۸)

ترے میکشوں کو ہے ساقیا بڑے ہنگ سے تری آرزو
کبھی رقص ہے کبھی وجد ہے کبھی مستیاں کبھی ہائے ہو

ترے مے کدہ کی وہ رنگیاں ہیں یہ کیسی ساقیٔ نیک خو
کوئی کہہ رہا ہے کہ چھلک چکا کوئی کہہ رہا ہے سُبو سُبو

جو ہے بے خودی وہی ہوش ہے جو سکون ہے وہی جوش ہے
ترے در پہ سجدے نہ کیوں کروں کبھی بے وضو کبھی باوضو

ترا عشق اب مجھے راس ہے کہ زباں پہ شکر و سپاس ہے
تو ہی اس طرف تو ہی اس طرف تو ہی سامنے تو ہی چارسو

یہ جہانِ بزمِ جمال کی ہیں عجب کرشمہ نمائیاں
کہ جو آنکھ سے ہے چھپا ہوا وہی ہے نگاہ کے رُوبرو

یہ عجیب رنگِ زمانہ ہے کہ فسانہ جانِ فسانہ ہے
کہیں عشق ہے کہیں حسن ہے کہیں میں ہی میں کہیں تو ہی تو

جو نظامؔ ہے وہ سراجؔ ہے جو نیاز ہے وہی راز ہے
وہی حسن ہے وہی صوت ہے وہی عشق ہے وہی آرزو

نوٹ :۔ میرے پیران عظامؒ بہزاد لکھنوی

(۲۹)

قدم قدم تری محفل قدم قدم تو ہے
نفس نفس ترا جلوہ ہے دمبدم تو ہے

اسی کو کہتے ہیں منزل یہ بات راز کی ہے
جہاں سے ایک قدم میں ہوں اک قدم تو ہے

یہ تو نہیں ہو مری جان لاجرم میں ہوں
یہ میں نہیں ہوں مری جان لاجرم تو ہے

جبینِ شوق کا مقصود سنگِ در ہے ترا
مرے لئے تو مرا دیر تو حرم تو ہے

ہزار رنگ کے جلوے جو دیکھتی ہے نظر
نگاہِ شوق کا مقصد تری قسم تو ہے

جبھی قیاس کی منزل سے میں پلٹ آیا
مری نگاہ نے دیکھا کہ ہر قدم تو ہے

زمانہ کہتا ہے بہزاد بے نوا مجھ کو
میں ہوں گدائے محبت مرا بھرم تو ہے



(۳۰)

میرا عالم عیاں نہ ہو جائے
بے زُبانی زُباں نہ ہو جائے
بے حسی سے مجھے ہے ڈر اتنا
غم کہیں رائیگاں نہ ہو جائے
ان سے کہہ دو چھپے تو ہو لیکن
بے نشانی نشاں نہ ہو جائے
بڑھتا جاتا ہے بندگی کا ذوق
خود جبیں آستاں نہ ہو جائے
دمِ رخصت میں کس طرح دیکھوں
یہ نظر داستاں نہ ہو جائے
رِند بنتا نہیں ہے وہ جس کو
عشقِ پیرِ مغاں نہ ہو جائے
ہائے بہزاد یہ ترا تقویٰ
نذرِ کوئے بتاں نہ ہو جائے

(۳۱)

اے عشق یہاں ہر سو اک نور برستا ہے
یہ کون سی منزل ہے یہ کونسا رستہ ہے
ہم اس کی تمنا میں جائیں تو کہاں جائیں
جو آنکھ میں رہتا ہے جو قلب میں بستا ہے
کہتی ہے جسے دُنیا غم اُن کی تمنا کا
بازارِ محبت میں سودا یہی سستا ہے
دُنیائے محبت میں ہم نے تو یہی دیکھا
یا تو کوئی روتا ہے یا تو کوئی ہنستا ہے
جو عشق کی منزل ہے ایماں کی بھی منزل ہے
اس تک تو پہنچنے کا بس ایک ہی رستہ ہے
میخانے پہ چھایا ہے میخواروں پہ چھایا ہے
ساقی تری آنکھوں سے جو کیف برستا ہے
تم سامنے آکر بھی بے پردہ نہیں ہوتے
بہزاؔد ترستا تھا بہزاد ترستا ہے

(۳۲)

زہے ربط و ضبطِ اُلفت زہے رنگِ عاشقانہ
مرا دل دلِ دو عالم، مرا غم غمِ زمانہ

نہ سمجھ سکے گی دنیا مرے عشق کا فسانہ
کبھی جُھک گیا مرا سر کبھی اُن کا آستانہ

مرے ذوق کی کہانی مرے شوق کا فسانہ
یہ دُرود صبح گاہی یہ نماز پنجگانہ

مَیں اُٹھا رہا ہوں نظریں وہ چرا رہے ہیں نظریں
یہ وفا بھی والہانہ وہ جفا بھی والہانہ

مری جلوتوں کا عالم مری رہروی نے دیکھا
میں جہاں بھی جا کے پہنچا وہیں آگیا زمانہ

یہ صدائے بے صدائی یہ زبان بے زبانی
کبھی بن گئی خموشی، کبھی کہہ گئی فسانہ

رہے تا ابد سلامت رہے تا بہ حشر آمین
مرا رنگ بے نوائی تری شان خسروانہ

(۳۴)

گیسوئے یار کی قسم سارا جہاں ہے منتشر
کیسی اثر پذیر ہے میری فغانِ بے اثر

تیرے لیئے ہے میرا دل تیرے لیئے مری نظر
یہ بھی ہے تیری رہ گذر وہ بھی ہے تیری رہ گذر

کس کی ہیں یہ تجلّیاں کون ہوا ہے جلوہ گر
گم ہوں میں اپنے حال میں مجھ کو جہاں کی کیا خبر

علم و یقیں سے ماورا وہم و گماں سے ماسوا
راہِ خرد سے دُور ہے میرے جنوں کی رہ گذر

دَیر و حرم کی گتھیاں میری سمجھ سے دُور ہیں
میری جبینِ شوق کو چاہیئے تیرا سنگِ در

کیوں بڑھے جراتِ گماں اپنے کو صاف کر عیاں
اُٹھنے نہ دے نگاہ کو جلوہ فگن اِدھر اُدھر

کس کا گماں کہاں کا وہم کیسا جنوں کہاں کی فہم
حسن کی بارگاہ میں عشق کی کھو گئی نظر

(۳۴)

عشق میں بدنام و رسوا بن گئے
ہم تو ان آنکھوں کا نشا بن گئے

اُلجھنوں سے دل کی کبتک کھیلتے
وہ بھی دن آیا تماشا بن گئے

جام مے پینا تو اک آفت ہوا
ہم تو ساقی کا سراپا بن گئے

انجمن خلوت ہے، خلوت انجمن
دیکھنے والے تماشا بن گئے

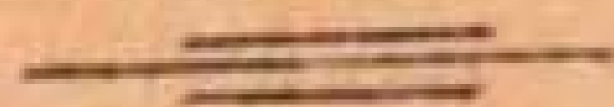
اب کرے کیا میری چشم آرزو
وہ تو ہر عالم کا پردہ بن گئے

ایک لحظہ بھی سکوں ہم کو نہیں
کیا خبر بہزاد ہم کیا بن گئے



(۳۵)

بتا بتا دلِ حزیں یہ ہے مآلِ جستجو
نہیں کسی کے روبرو نہ کوئی میرے روبرو
مچل رہی ہیں حسرتیں تڑپ رہی ہے آرزو
مگر مرے جہاں میں ہے نہ شور و شر نہ ہاؤ ہو
اب اسکا پوچھنا ہی کیا کہا ہوں میں کہاں ہو تو
بیاں میں ہیں خموشیاں خموشیوں میں گفتگو
یہ ہوش ہی کہ بیخودی ہر ایک رُو وہوں قبلہ رُو
زہے فضائے میکدہ اِدھر سُبُو اُدھر سُبُو
حقیقتوں کی سادگی ہو یا گماں کی شوخیاں
کوئی تو دے کوئی تو دے مجھے جواب جستجو
یہ عہد کے خلاف ہے کہاں ہے حسنِ معتبر
بھٹک رہی ہے دیر سے مری نگاہ چار سُو
کسی کا سنگِ در ہے اور میری سجدہ ریزیاں
زہے نصیب اے جنوں رکھی خرد کی آبرو



(۳۶)

قریب آستانِ دوست کیا ہم آئے جاتے ہیں
الٰہی خیر ہو آخر قدم کیوں لڑکھڑاتے ہیں
بہت دن کر چکے ہیں ہم تماشائے نظر بازی
مگر اب حکم ہوتا ہے تو ہم نظریں اُٹھاتے ہیں
نہ چھیڑ اے درد رہنے دے مرے اشکِ سرِ مژگاں
بڑے نازک ہیں یہ موتی یہ گر کر ٹوٹ جاتے ہیں
محبت نام ہے محرومیوں کا کون سمجھے گا
جو منزل تک نہیں جاتے وہی منزل کو پاتے ہیں
چمن اندر چمن کیا ہے روش اندر روش کیا ہے
کہیں پر کھل رہے ہیں گل کہیں مرجھائے جاتے ہیں
جنوں کے راستے کیا ہیں، خرد کی منزلیں کیا ہیں
محبت یہ بتا ہم کس لئے بہکائے جاتے ہیں
کسی کی پرسشِ احوال پر بہزاد ہم گم ہیں
کہیں کچھ بھول جاتے ہیں کہیں کچھ بھول جاتے ہیں

(۳۷)

بند ہے آنکھ وہ روبرو ہے
کیا تصور کوئی سحر تو ہے
میری حالت سے سب کچھ عیاں ہے
یہ خموشی ہے یا گفتگو ہے
کس طرح دہر میں سر جھکاؤں
اے تمنا تو ہی قبلہ رو ہے
ذوق صحرا نوردی کروں کیا
جو یہاں ہے وہی چارسو ہے
کس کے آگے نہ میں سر جھکاؤں
میں تو سب کو سمجھتا ہوں تو ہے
کوئی دشمن نہیں ہے کسی کا
اپنا انسان خود ہی عدو ہے
تم ہو یا جلوۂ حسنِ عالم
کون بہزاد کے روبرو ہے



(۳۸)

اب لب پہ کہانی کوئی نہیں نظروں میں فسانہ کوئی نہیں
تم نے تو مجھے وہ غم بخشا جس غم کا ٹھکانہ کوئی نہیں

جب آگ لگے جب درد بڑھے جب ٹیس اُٹھے جب سانس گھٹے
فریاد کا موسم کوئی نہیں آہوں کا زمانہ کوئی نہیں

بُلبل کی نوا ہو یا میری، زاہد کی دُعا یا میکش کی
جس میں کہ تمہارا ذکر نہ ہو ایسا تو فسانہ کوئی نہیں

اس بزم میں ہم کو بار نہیں، مجبور ہیں ہم مختار نہیں
ہم ہوش میں ہوں یا مستی میں ملنے کا بہانہ کوئی نہیں

بیگانگیِ دل نے ہم کو بیگانہ بنایا ہے سب سے
اس بزم میں ہم یوں بیٹھے ہیں جیسے کہ یگانہ کوئی نہیں

شبنم کی تراوٹ سے پوچھو تاروں کی لگاوٹ سے پوچھو
جز آہِ سحر جز نالۂ شب پُر کیف ترانہ کوئی نہیں

ان مست نگاہوں کے ناوک ہزار چلے اس شوخی سے
سمجھو تو نشانہ ہے دُنیا دیکھو تو نشانہ کوئی نہیں

(۳۹)

ہو سکے تو زندگیٔ عشق کو مشکل بنا
راہ کے ہر پیچ کو اپنے لئے منزل بنا

اللہ اللہ اس گلی کی فتنہ سامانی کا رنگ
اک قدم پر دل مٹا اور اک قدم پر دل بنا

اور کیا بنتا بھلا میں تیرے قرباں جائیے
میں ترا رنگِ کریمی دیکھ کر سائل بنا

اپنے ساقی کی نگاہوں سے بھی تھوڑی مانگ لے
میکدے میں بیخودی کو زیست کا حاصل بنا

اپنے ہی دل میں رکھا نقاشِ فطرت نے یہ راز
آج تک کوئی نہ سمجھا کون کس قابل بنا

اور جو عالم بھی آیا چند جھٹکے دے گیا
اک جنونِ عشق ہی بڑھ کر مزاجِ دل بنا

اس میں رہزن کی خطا کیا راہزن کا کیا قصور
میں تو اے بہزاد خود آوارۂ منزل بنا



(۴۰)

ناکام میں ہوں بھی تو ہوں ناکام تمہارا
میرا دلِ بدنام ہے بدنام تمہارا

کیا رابطہ نظروں ہی کا ہے چشمِ تمنا
نظریں جو ملیں مل گیا پیغام تمہارا

ہم ترکِ تمنّا کریں، تم ترکِ تماشا
یہ کام ہمارا ہے نہ وہ کام تمہارا

ہم اس طرح دنیا سے تمھیں پوچھ رہے ہیں
جیسے ہمیں معلوم نہیں نام تمہارا

رہرو کے پہنچنے کی کوئی راہ نکالو
ملتا ہے نشاں کس لئے ہر گام تمہارا

اب رازِ دو عالم ہے نگاہوں کے مقابل
ہم عشق کو سمجھے نہ تھے انعام تمہارا

راحت کا نہ طالب ہے نہ دولت نہ سکوں کا
بہزادِ حزیں بندۂ بے دام تمہارا

(۴۱)

خبر نہ تھی تیری جستجو میں کشاکشِ رہروی ملے گی
قدم قدم پہ جبیں جھکے گی قدم قدم آگہی ملے گی

تمھیں مبارک مرا تڑپنا مجھے مبارک تمہارے جلوے
یہ دونوں عالم رہیں سلامت جہاں کو آسودگی ملے گی

نہ ڈھونڈھ ہم کو نگاہِ عالم جہاں پہ میں ہوں جہاں وہ ہیں
جہاں بھی کھویا ہوا ملے گا فضا بھی کھوئی ہوئی ملے گی

ابھی نہ چھیڑو ابھی نہ چھیڑو ابھی تو ذوقِ طلب میں گم ہوں
یہ راز کیوں مجھ پہ کھولتے ہو کہ اور مشکل ابھی ملے گی

خرد کے دھوکے میں آ رہا ہوں جنوں سے دامن بچا رہا ہوں
سمجھ رہا ہوں یقیں میں پھنسکر سکون کی زندگی ملے گی

ہمیں تو ہر ذرہ میکدہ ہے کہ ہم تو ہیں تیرے رند ساقی
مگر کہاں مستیاں ملیں گی مگر کہاں بے خودی ملے گی

گماں کے ہاتھوں خراب و خستہ کہاں یہ دیوانے جا رہے ہیں
کہیں نہ کعبہ نہ بت کدہ ہے ملی تو اُن کی گلی ملے گی

(۴۲)

تصور ہم کو رہتا ہے تمھارا
اسی صورت سے کرتے ہیں گذارا
ہمیں شکوہ ہے ذوقِ آرزو سے
تمناؤں نے کیوں ہم کو اُبھارا
یہ ساحل جو نظر آتا ہے ساکت
ہم اس طوفاں کو سمجھے ہیں کنارا
ترے نازک دلانِ عشق گم ہیں
کیا ہے کیا کوئی ہلکا اشارا
نگاہِ ناز میں طوفانِ گریہ؟
غمِ پنہاں کو کر دو آشکارا
ہم اپنے بس میں ہوں تو کچھ کہیں بھی
ہمیں کیا ناگواری کیا گوارا
جسے تم پُرسکوں سا پا رہے ہو
یہی بہزاد ہے آفت کا مارا

(۴۳)

طرفہ تر ہستی ہے میری طرفہ تر عالم میں ہوں
بے تعلق ظرفِ گل ہیں قطرۂ شبنم میں ہوں

میرا عالم پوچھتی کیا ہے نگاہِ چارہ گر
اس نے جس عالم میں رکھا ہے اسی عالم میں ہوں

میرے عالم کا تماشا دیکھتا تو ہے جہاں
یہ نظر والے ہی سمجھیں گے کہ میں کس غم میں ہوں

شام سے کرتا رہا میں صبح کا ماتم مگر
صبح جب سے ہو گئی ہر شام کے ماتم میں ہوں

اپنا مرکز بھول بیٹھی ہے مری حدِ نگاہ
میں اسیرِ حلقۂ زنجیر بیش و کم میں ہوں

چارہ گر اشکوں سے میرے کیوں بڑھی حیرت تری
درد جو رخصت ہوا اس درد کے ماتم میں ہوں

کیا خبر بہزاد مجھ کو اپنے گرد و پیش کی
کس فضا میں پل رہا ہوں کون سے موسم میں ہوں

(۴۴)

ابھی تک وہی بات ہے اور کیا ہے
وہی دن وہی رات ہے اور کیا ہے

ادھر تم پریشاں، ادھر ہم پریشاں
محبت یہی بات ہے اور کیا ہے

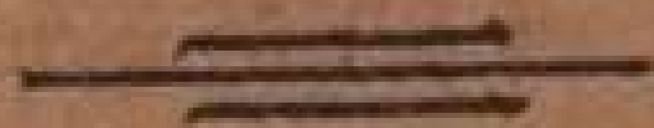
نہ پوچھو، نہ پوچھو مرے دل کا عالم
شکارِ صد آفات ہے اور کیا ہے

جو ٹھہرا ہے پلکوں پہ اک اشکِ حسرت
یہی غم کی سوغات ہے اور کیا ہے

یہی ہم نے سمجھا، یہی ہم نے جانا
محبت تری ذات ہے اور کیا ہے

بہارِ چمن یوں تو کچھ بھی نہیں ہے
گلوں کی کرامات ہے اور کیا ہے

یہ بہزاد جو ہے بہت سیدھا سادہ
یہ پیرِ خرابات ہے اور کیا ہے



(۴۵)

اک سجدۂ نیاز بہ ہر گام ہو گیا
مژدہ جنونِ عشق ترا نام ہو گیا

اُلجھن مٹی سکوں ملا آرام ہو گیا
جب تم کو یاد کر لیا ہر کام ہو گیا

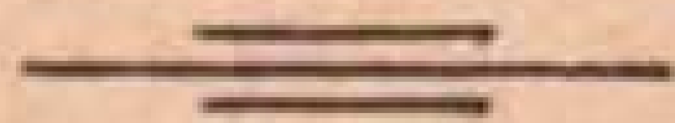
تیرے نثار جائیے اے چشمِ آرزو
نظارہ خود ہی بندۂ بے دام ہو گیا

توبہ بھی برقرار ہے مستی بھی برقرار
ساقی کی اک نظر سے بڑا کام ہو گیا

القصہ کشمکش میں کٹی ہے تمام عمر
اُلجھن کبھی بڑھی کبھی آرام ہو گیا

طوفان بن کے آنکھ میں آنسو رہا مگر
ٹپکا تو پھر سکون کا پیغام ہو گیا

دُنیا سمجھ رہی ہے کہ بہزاد مٹ گئے
میرا خیال ہے مجھے آرام ہو گیا



(۴۶)

آنکھ کس واسطے نم ہے مجھے معلوم نہیں
دل کو کس بات کا غم ہے مجھے معلوم نہیں

دل مرا کھیلتا رہتا ہے کسی شئے سے مگر
وہ خوشی ہے کہ اَلم ہے مجھے معلوم نہیں

رہروِ راہِ تمنا ہوں مری منزلِ شوق
بتکدہ ہے کہ حرم ہے مجھے معلوم نہیں

اک مسلسل سی خلش ایک مسلسل سی تڑپ
زندگی کس کا کرم ہے مجھے معلوم نہیں

یوں تو ہر شخص کے ہونٹوں پہ ہنسی ہے لیکن
کون بیگانۂ غم ہے مجھے معلوم نہیں

تم جو آئے تو مجھے کوئی بھی احساس نہیں
درد افزوں ہے کہ کم ہے مجھے معلوم نہیں

بے سبب تو نہیں بہزادؔ یہ خاموشی بھی
میرا کس کس پہ بھرم ہے مجھے معلوم نہیں

(۴۷)

کس حال میں ہیں درد کے مارے نہ پوچھیے
ٹوٹیں گے آسماں سے ستارے نہ پوچھیے
تخریب ہی تو باعثِ تعمیرِ زیست ہے
طوفاں کی گود میں ہیں کنارے نہ پوچھیے
رہبر کی رہبری بھی نہ کچھ کام آسکی
ٹوٹے ہیں کس طرح سے سہارے نہ پوچھیے
دامن کو دیکھیے نہ گریباں کو دیکھیے
جیتے کہ جذبِ شوق سے ہارے نہ پوچھیے
ہم کیوں بھنور میں پھنس گئے اس کو نہ پوچھیے
موجوں نے کیوں کئے تھے اشارے نہ پوچھیے
آنکھوں کو بند کرتے ہی ہم مست ہو گئے
اب کون سامنے ہے ہمارے نہ پوچھیے
بہزاد کی یہ مستیٔ پیہم گواہ ہے!
دامن میں پھول ہیں کہ شرارے نہ پوچھیے

(۴۸)

مرے قلبِ حسن پرست کو نہیں ہے گراں کسی طور بھی
ترا عشق بھی، تری یاد بھی، ترا لطف بھی، ترا جور بھی
نہ تو تاب وہم و گماں مجھے، نہ مجال نطق و بیاں مجھے
ترا عکس ہے ترا آئینہ مری زندگی کا یہ دَور بھی
ترے ایک جام سے ساقیا مری تشنگی تو بجھی نہیں
ترے میکدے کے نثار میں ارے اور بھی ارے اور بھی
مری لغزشوں پہ نہ جائیے یونہی یہ نظر نہ پھرائیے
یہ تو عشق کا ہے معاملہ ذرا فکر بھی ذرا غور بھی
مری منزلوں کا معاملہ ترے مے کدے پہ تمام ہے
مری زندگی ہی کا دَور ہے ترے جام مے کا یہ دَور بھی
مرے لب پہ ترا ہی نام ہے مجھے تیری یاد سے کام ہے
کسی رنگ بھی، کسی حال بھی، کسی طرز بھی، کسی طور بھی
ترا راز ہی مرا راز ہے، ترا سوز ہی مرا ساز ہے
تری خو بھی ہے، تری بو بھی ہے، ترا رنگ بھی، ترا طور بھی

(۴۹)

مجھے یہ فکر تھی آخر مرا عدم کیا ہے
نفس نفس نے کہا دیکھ دم بدم کیا ہے
عجیب رنگ سے اک بات کہہ رہا ہوں میں
کرم کا کھیل سمجھ لو تو پھر کرم کیا ہے
نہ کوئی ہے تہی دامن نہ کوئی پُر دامن
تو ہی بتا کہ تماشائے بیش و کم کیا ہے
ترے خیال میں یوں راہِ شوق طے کر لی
قدم قدم پہ یہ سوچا قدم قدم کیا ہے
تری نگاہ کے مارے کو کیا خبر اس کی
فسونِ دَیر ہے کیا جادوئے حرم کیا ہے
نفس نفس ترا جلوہ، نفس نفس تری یاد
نہ پوچھ لذّتِ ہستی تری قسم کیا ہے
یہ تیری چشمِ عنایت کا فیض ہے ورنہ
جہانِ عشق میں بہزاد کا بھرم کیا ہے

(۵۰)

مجھ کو کچھ آسرا نہ دے جانا
ضبط کا حوصلہ نہ دے جانا

ہے تمہاری تلاش مدت سے
مجھ کو میرا پتہ نہ دے جانا

میرا مقصد نہیں کوئی منزل
رہروی کا صلہ نہ دے جانا

بے وصولی ہے منزلِ دشوار
دردِ بے مدعا نہ دے جانا

یا تو دینا مسرتِ محدود
یا غمِ ماسوا نہ دے جانا

گم ہی رہنے دو اپنے مستوں کو
دامنوں کی ہوا نہ دے جانا

یہ اسی بُت کا طور ہے بہزاد
غم بھی نامِ خدا نہ دے جانا



(۵۱)

کچھ دیر ہی کھیلے تھے ہم حسرت و ارماں سے
تسکیں نہ ملی ہم کو اب تک کسی عنواں سے

معلوم نہ تھا ان کو طوفان ہی ساحل ہے
ساحل کے تمنائی گھبرا گئے طوفاں سے

کہتے ہیں جسے الفت کیا وہ بھی عالم ہے
ہم بھی ہیں پریشاں سے وہ بھی ہیں پریشاں سے

ہم کس پہ نظر ڈالیں ہم کس سے نظر پھیریں
رنگین وہ عالم ہے رنگِ رُخِ جاناں سے

کونین میں ہر جانب کیوں ہُو کی صدائیں ہیں
شاید ترے دیوانے آتے ہیں بیاباں سے

مدہوش نہیں ہوں میں سرشار نہیں ہوں میں
سر میرا ہوا ہے خم ساقی ترے احساں سے

اب جان میں جان آئی، اب دل کو قرار آیا
بہزاد نہ اٹھوں گا اب تو درِ جاناں سے

---

(۵۴)

کون چلا کس کا حال کس کو سُناتا ہوا
شمع جلاتا ہوا، شمع بُجھاتا ہوا

راہبر و راہزن کوئی نہ کام آ سکے
راہِ طلب میں ہوں گم ٹھوکریں کھاتا ہوا

آپ کا جلوہ بھی تو آپ سے کچھ کم نہیں
آنکھ سے اوجھل ہوا دل میں سماتا ہوا

ساقیِ رنگیں ادا جام بکف آ گیا
آنکھ ملاتا ہوا، آنکھ چُراتا ہوا

دَورِ خزاں دُور باش بلبلو مسرور باش
جانِ بہار آ گیا پھُول کِھلاتا ہوا

کعبہ ہے ہر ہر قدم دیر ہے ہر گام پر
کون گیا ہے اِدھر سر کو جُھکاتا ہوا

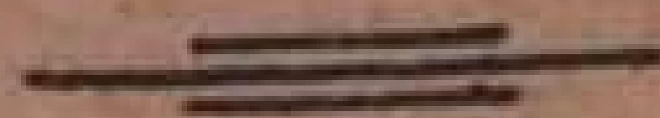
انجمنِ ناز میں میری طرح بُجھ گیا
مطربِ آتش نوا آگ لگاتا ہوا

راہروِ تیز گام جانے کدھر ہے رواں
منزلِ مقصود کو دُور ہٹاتا ہوا

بزم میں بیٹھا ہے کون کیا یہی بہزاد ہے
اشک بہاتا ہوا شعر سُناتا ہوا

(۵۴)

دردِ دل نے آخرش یہ کیا کیا
ہم کو بیروں چارہ گر دیکھا کیا
ہم تو بے سوچے ہی منزل پا گئے
سوچنے والا جو تھا سوچا کیا
بیخودی نے ساتھ چھوڑا ہی نہیں
کیا خبر ہم نے کہاں سجدہ کیا
زندگی کی داستاں اتنی سی ہے
تو نے تڑپایا تو میں تڑپا کیا
ہم کو احساسِ تمنا دے دیا
بندہ پرور آپ نے یہ کیا کیا
وہ گمانِ شوق دے کر چل دئے
میں انھیں کو ہر طرف دیکھا کیا
ہوش میں بہزاد جب ہم آ گئے
مدتوں ہم کو جنوں ڈھونڈھا کیا



(۵۵)

یہ اور بات ہے مجھے بیاں کا حوصلہ نہیں
مجھے نہ کم نظر سمجھ مری نظر میں کیا نہیں

صنم کدہ کی آبرو سجودِ عشق ہی سے ہے
مری جبینِ شوق کو مگر کوئی گلہ نہیں

مراد مند جو نہ ہو وہ اپنی حد سے کیوں بڑھے
مری زباں پہ آج تک گلہ نہیں دُعا نہیں

حرم کی بتکدہ کی اُلجھنوں میں کوئی کیوں پڑے
کہاں وہ آستاں نہیں، کہاں وہ نقشِ پا نہیں

یہ ابتدائے عشق بھی عجیب کیف بار ہے
اس ابتدا میں گم ہوں میں جو میری انتہا نہیں

اک آہ میں اک انتک میں جو فرق ہو اسے بھی سُن
صدا ہے اور بیاں نہیں بیاں ہو اور صدا نہیں

یہ آج تیری بزم کو مرے بغیر کیا ہوا
خموشیوں کا دور ہے کوئی بھی بولتا نہیں

ترے خیال میں گزر گیا میں اپنے حال سے
خرد نے کچھ کہا نہیں جنوں نے کچھ سُنا نہیں

مری نظر کو لوٹ لے گئی ہیں جس کی رنگتیں
وہ آدمی ہے آدمی وہ بُت نہیں خدا نہیں

(۵۶)

کیا خبر حقیقت ہے یا یہ ہے گماں اپنا
جیسے ہو گیا پورا خوابِ آشیاں اپنا

اس طرف ہی خوش کامی اس طرف ہی ناکامی
ہائے رے جہاں ان کا ہائے رے جہاں اپنا

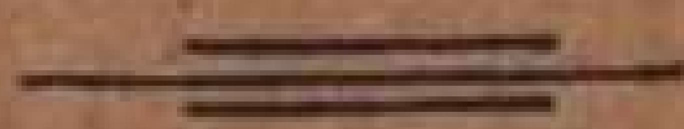
انقلابِ عالم ہے اور اس کو کیا کہیئے
بجلیوں کا ضامن ہے اب تو آشیاں اپنا

منزلوں سے ناواقف راستوں سے بیگانہ
جا رہا ہے اک جانب خود ہی کارواں اپنا

جذبۂ محبت کو بے خودی کی حاجت ہے
ہو چلا ہے ہر سجدہ سوئے آستاں اپنا

منزلِ محبت میں لے چلا ہے کس جانب
اک قدم یقیں اپنا اک قدم گماں اپنا

میں گذر گیا حد سے سادگی کے عالم میں
کام آ گیا بہزادؔ ضبطِ ناگہاں اپنا

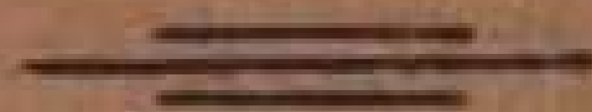


(۵۷)

ہم نے جب اپنی گردن جھکالی
روبرو آئی شکلِ مثالی
دیکھ کر گلستاں کے گلوں کو
ہم نے مانی تری بے مثالی
نام رٹتی ہے کیا تیرا بلبل
جھوم جاتی ہے کیوں ڈالی ڈالی
ہر گھڑی میری جانب تبسّم
ہر قدم پہ مری پائمالی
یہ تو خلوت نہیں، انجمن ہے
لائی ہم کو کہاں بے خیالی
ہم چلے اس کے کوچے کی جانب
اب تو ہے دل کا اللہ والی
میں ہوں بہزاد اس کا فدائی
جس نے بخشی یہ نازک خیالی

(۵۸)

زیست رنگین ہے کہ سادہ ہے
میری ہر بات بے ارادہ ہے
آؤ اے میکشو ادھر آؤ
چشم ساقی ہی جام و بادہ ہے
اے مسرت کے بخشنے والے
اب تو غم اور بھی زیادہ ہے
جھوم کر کر رہا ہوں سجدۂ شوق
وہ تخیل تھا یہ ارادہ ہے
حسن میں ہے تمام رنگینی
عشق کا ہر نظام سادہ ہے
پھنس گئے ہم خرد کے پھندے میں
اے جنوں بول کیا ارادہ ہے
شعر گوئی کہاں کہاں بہزاد
کچھ سہی آدمی تو سادہ ہے



(۵۹)

زیست میں کچھ نہ کچھ بہار تو ہے
تو نہیں تیرا انتظار تو ہے

کون کہتا ہے میں نہیں میکش
پی نہیں ہے مگر خمار تو ہے

کون پوچھے کدھر کو ہے کعبہ
سامنے اپنے رُوئے یار تو ہے

دل کو تسکیں نہ ہو یہ بات ہے اور
ورنہ ہر دم خیالِ یار تو ہے

تم نہ سمجھو تو کیا کرے کوئی
دلِ پُرشوق بے قرار تو ہے

عشق ناکام ہو نہیں سکتا
اس حقیقت کا اعتبار تو ہے

ہم تو بہزاد ہیں چمن پرور
گل نہیں ہے تو کیا ہی خار تو ہے

(۶۰)

وحشی نے بیاباں کہ گلستاں میں گذاری
جس جا بھی سہی حسرتِ جاناں میں گذاری
پروانے کو ہو شمع سرِ بزم مبارک
ہم نے تو ترے حسرت وارماں میں گذاری
القصہ کہ اُلجھن میں کٹی عمر ہماری
ساحل پہ بسر کی کبھی طوفاں میں گذاری
میں ڈھونڈھتا ہی رہ گیا دامانِ محبت
اشکوں نے تو بہہ کر مرے داماں میں گذاری
ہم سے تو بھلے خوابِ سبک دیکھنے والے
ہم نے تو فقط خوابِ پریشاں میں گذاری
ہم کھوئے رہے جلوۂ رُخسار کی ضَو میں
دل نے خمِ گیسوئے پریشاں میں گذاری
بہزاد کوئی اور بھی ہم سا ہے کہ جس نے
نظارگیِ جلوۂ جاناں میں گذاری

(۶۱)

کسی عالم میں بھی جاتا نہیں ہے جذبِ رندانہ
کہ کعبہ اُٹھتا ہوں سجدے میں بھی میں یا پیرِ میخانہ
حجابِ درمیاں کافی نہیں ہے میری نظروں میں
کہیں اس سے بھی آگے بڑھ نہ جائے تیرا دیوانہ
اَلا یا ایُّہا السّاقی اَدِرْ کاساً وَّ نا وِلہا
کہ ہشیاری نہیں منجملۂ آدابِ میخانہ
مرے نقشِ قدم پر تم نہ آؤ قافلے والو
جہانِ شوق میں کوئی نہ اپنا ہے نہ بیگانہ
بڑی مشکل سے میں نے پائی ہیں اپنی ہی تنویریں
بڑی مشکل سے لایا ہوں جواب روئے جانانہ
خرد کیسی، جنوں کیسا، یقیں کیسا، گماں کیسا
نہ یہ اندازِ میخانہ، نہ وہ اندازِ میخانہ
اسیری، کجکلاہی، خسروی ہزاد سب دیدی
نگاہِ یار نے دے کر مجھے عالم فقیرانہ

(۶۲)

یہ بجھی بجھی ادائیں، یہ تھکی تھکی نگاہیں
کہیں دیکھ آئیں شاید مرے غم کی شاہراہیں

یہ کمالِ آرزو ہے کہ کمالِ زورِ جلوہ
کبھی اُٹھ گئیں نگاہیں کبھی جھک گئیں نگاہیں

مرا ساتھ چھوڑ بیٹھے سبھی راہبرانِ منزل
ترے پاس آ رہا ہوں میں بدل بدل کے راہیں

مرے غم کا ہیں مرقع، مرے دل کا آئینہ ہیں
مرے گرم گرم آنسو، مری سرد سرد آہیں

تجھے کس طرح سے دیکھوں تجھے کس طرح سے سمجھوں
مری اک نگاہِ حیرت، تری لاکھ جلوہ گاہیں

(۶۳)

چشمِ نازِ دوست پیمانہ سمجھ میں آگیا
تیرے صدقے رازِ میخانہ سمجھ میں آگیا

جب جلے تو شمع کے انداز سے واقف ہوئے
جل بجھے تو کیفِ پروانہ سمجھ میں آگیا

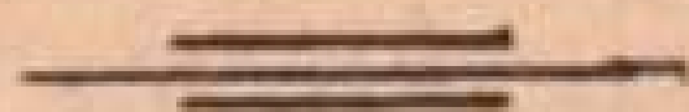
جور پہ ہم نے ادا کیوں شکر کے سجدے کئے
باعثِ الطافِ جانانہ سمجھ میں آگیا

چشمِ ساقی پھر اٹھی ساغر بکف مینا بدست
نعرۂ بے تاب رندانہ سمجھ میں آگیا

دل ہی کچھ سمجھا مری مجبوریوں کا ماجرا
ایک دیوانے کے دیوانہ سمجھ میں آگیا

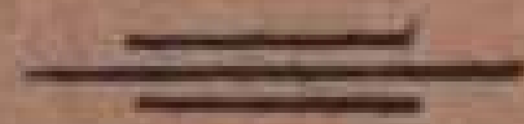
جس جگہ جلتا ہو اک بے نور سا مدھم چراغ
کہتے ہیں اس گھر کو غم خانہ سمجھ میں آگیا

ہم ہوئے بہزاد اپنے یار کی ہستی میں گم
آخرش جذبِ مریدانہ سمجھ میں آگیا



(۴۴)

مَیں پاکر ترے غم کو تیری خوشی کو
بہت دیر ڈھونڈھا کیا زندگی کو
نظر آیا اپنے میں جلووں کا عالم
جہاں جھک گیا سر تری بندگی کو
نہ اب میں ہی باقی نہ اب تو ہی باقی
دُعا دے رہا ہوں غمِ بے خودی کو
چمن کے گلوں نے ترا عکس ہو کر
تحیُّر سے دیکھا تری سادگی کو
گذرنا ہے مشکل حجابوں سے تیرے
ترسنا پڑا ہے تری آگہی کو
یہ کیا ہے کہ ساقی ترے میکدے میں
میں ڈھونڈھا کیا چارسو بیخودی کو
طبیعت تھی افسردہ بہزاد مضطر
محبت نے بہلا لیا زندگی کو



(۶۵)

اُلٹی ہر ایک عشق میں تدبیر ہو گئی
دل کی لگن ہی پاؤں کی زنجیر ہو گئی
اب ہم ہیں اور نالۂ جانکاہ رات دن
پوری ہمارے خواب کی تعبیر ہو گئی
کیوں بڑھ گئیں نہ اور مرے دل کی اُلجھنیں
برہم کسی کی زلفِ گرہ گیر ہو گئی
کچھ اس طرح سما گیا تو چشمِ شوق میں
خود چشمِ شوق ہی تری تصویر ہو گئی
حیران ہیں کہ آج یہ کیا ماجرا ہوا
پیدا ہماری آہ میں تاثیر ہو گئی
جو کچھ بھی ہو رہا ہے تمہارا ہی لطف ہے
بدنام بے سبب مری تقدیر ہو گئی
بہزاد کیا بتاؤں میں نظّارگی کا حال
میری نظر فدائے رُخِ پیر ہو گئی

(۶۶)

حُسن والوں کی زمانے پہ جفا اب بھی ہے
عِشق والوں کی وہی شانِ وفا اب بھی ہے
چشمِ عارف جسے کہتی ہے کہ بے پردہ ہے
میں اسے کہتا ہوں پردے میں چھپا اب بھی ہے
راہ رَو راہ فنا کی تجھے حاجت کیا ہے
جو پتہ اس کا تھا پہلے وہ پتہ اب بھی ہے
اس کی رحمت کی طرف اب بھی ہے چشم پابند
یعنی جو بندہ ہے مجبورِ خطا اب بھی ہے
تیرے میخانے میں آتے ہی رہیں گے مے کش
تیرے شیشے میں مئے ہوش رُبا اب بھی ہے
متحیر سے نظر آتے ہیں ذراتِ جہاں
بے صدائی ترے دامن میں صدا اب بھی ہے
ہائے بہزاد کہاں چھوڑ کے جاتے ہو گلیم
بوریا فقر کا رشکِ دو سرا اب بھی ہے

(۶۷)

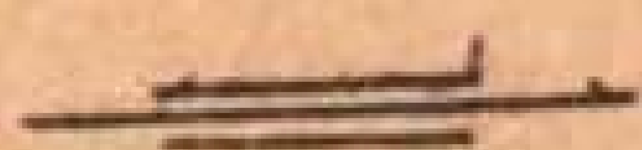
اس درجہ ہوں میں مانوسِ کرم جس دم کہ سحر ہو جاتی ہے
اس رات کا ماتم کرتا ہوں جو رات بسر ہو جاتی ہے
کیا تم کو سناؤں حال اپنا فرقت میں گذر ہو جاتی ہے
یا رات بسر کر لیتا ہوں یا رات بسر ہو جاتی ہے
میں سمجھا کہ ان کے جلوؤں کو بے سامنے آئے چین نہیں
وہ سمجھے کہ ان کے جلوؤں سے تسکینِ نظر ہو جاتی ہے
کس حال میں ہوں کس رنگ میں ہوں کس کیف میں ہوں کس شوق میں ہوں
مجھ کو تو خبر ہوتی ہی نہیں دنیا کو خبر ہو جاتی ہے
وہ زلف جو برہم ہوتی ہے اللہ رے شانے کی کاوش
اک رات اِدھر ہو جاتی ہے اک رات اُدھر ہو جاتی ہے
میں بے خودِ ذوقِ سجدہ ہوں میں حدِ تعین کیا جانوں
اللہ رے میری پیشانی یہ خود ہی ادھر ہو جاتی ہے
رہتا ہے دلِ مضطر گریاں بہزاد مجھے تسکین کہاں
کرتا ہوں میں جب بھی قصدِ فغاں گھبرا کے سحر ہو جاتی ہے۔

(۶۸)

عجب رنگ دیکھا ترے میکدے کا بیاں شان پائی جہاں ہے نرالی
جہاں تیری چشم سیاہ مست اٹھی نہ یہ جام خالی نہ وہ جام خالی
کھنچ آئے سبھی ایک مرکز پہ جلوے گلستاں کی رنگت جہاں کے تماشے
نقاب اپنے رخ سے الٹ کر کسی نے نظارے سمیٹے نظر سے دعا لی
کبھی آستانے پہ سجدے گذارے کبھی اس گلی میں کئے ہم نے نعرے
پہ تسکین دل بھی عجب چیز نکلی کبھی ہم نے کھوئی کبھی ہم نے پالی
تری آرزو میں زمانہ ہے کھویا سر انجمن رقص بسمل ہے گویا
سکوں دے کے کیوں بے قراری عطا کی نظر کیوں ملائی نظر کیوں چرالی
محبت نے بخشا ہے کھویا ہوا دل مری رہروی ہے نہ آساں نہ مشکل
دلِ بے طلب کو نہیں شوقِ منزل کدھر لے چلی ہے مجھے بے خیالی
کسی غیر کے در سے کیوں لَو لگائے چمن کی بہاروں کو کیوں شرم آئے
تجھے کچھ خبر بھی ہے اے جانِ گلشن تجھے مانگتا ہے تجھی سے سوالی
زمانہ ہے بہزاد کا ہمنوا بھی زمانہ ہے بہزاد ہی سے خفا بھی
جنونِ محبت، جنونِ محبت، تو ہی بے کمالی، تو ہی باکمالی

(۶۹)

ہمیں گماں تھا یہی ہم نگاہ کر نہ سکے
وہ جلوہ خود ہی سرِ جلوہ گاہ کر نہ سکے
نیاز و ناز کا عالم ارے معاذ اللہ
وہ سامنے تھے مگر ہم نگاہ کر نہ سکے
خلش سکوں نہ بنا اور اَلم خوشی نہ بنا
بڑے مزے میں رہے وہ جو آہ کر نہ سکے
جلا کے لایا ہوں دل میں چراغ بزم حرم
کہ فکر نور تری بارگاہ کر نہ سکے
جو ہو سکے تو گذر جا تو اپنی ہستی سے
اور اس طرح کہ کوئی اشتباہ کر نہ سکے
خزاں کے دور میں باد بہار بن کے گذر
وہ پھول کیا ہے جو کانٹوں میں راہ کر نہ سکے
جہاں جہاں یہ جو ذرّہ تھا گم رہا ہنزاد
ہم آہ کر کے یہ سمجھے کہ آہ کر نہ سکے



(۷۰)

کچھ بھنور میں ہیں کچھ کنارے ہیں
ایک ہم ہیں کہ بے سہارے ہیں
جگمگاتے ہیں جن سے کون و مکاں
کچھ تو آنسو ہیں کچھ ستارے ہیں
عشق کی ناخدائیاں دیکھو
اس نے ڈوبے ہوئے اُبھارے ہیں
ساتھ چھوڑا نہ درد نے، غم نے
جو ہمارے تھے وہ ہمارے ہیں
یہ محبت ہے یا طلب ہے، کہ ذوق
جیسے سینے میں کچھ شرارے ہیں
ان حجاباتِ درمیاں کی قسم!
کتنے نازک ترے اشارے ہیں
کیوں مسرت نے ہم کو گھیرا ہے
ہم تو بے حد ادغم کے مارے ہیں

(۷۱)

اس شان سے ہوتی ہے تکبیر صنم خانہ
یا پیرِ صنم خانہ، یا پیرِ صنم خانہ
مخمور ہیں آنکھیں بھی مسحور نگاہیں بھی
نظروں کے مقابل ہے تصویر صنم خانہ
اب ہوش میں آجائیں جتنے ہیں خرد والے
کھڑکائی ہے مستوں نے زنجیرِ صنم خانہ
زاہد بھلا کیا جانے ایماں کی حدیں کیا ہیں
دیکھی ہی کہاں اس نے تاثیرِ صنم خانہ
اس حور شمائل کے جلوے ہیں اسی گھر میں
کس درجہ منور ہے تقدیرِ صنم خانہ
جو اہلِ بصیرت ہیں وہ تم کو بتائیں گے
پھیلی ہے زمانے میں تنویرِ صنم خانہ
ہر گوشے میں تنویریں ہیں اس رُخِ روشن کی
بہزاد مرا دل ہے تعمیر صنم خانہ

(۷۲)

وہ سوز و اضطراب وہ ذوقِ نظر نہیں
منزل جو مل گئی ہے تو اپنی خبر نہیں

آ ایک بے خودی ہی کا سجدہ گزار لوں
اس عالمِ یقیں کو گماں کی خبر نہیں

ظلمت کدہ بنا ہے مرا عالمِ خیال
اس انجمن میں ہائے کوئی جلوہ گر نہیں

میں نے فنا بقا تری نظروں میں دیکھ لی
سارے جہاں میں اس کی کسی کو خبر نہیں

کچھ ماجرائے بے خودیٔ کیف چھیڑ دے
افسانۂ جنونِ خرد معتبر نہیں

اے ذوقِ بندگی مجھے اب یہ بتا کہ میں
سجدے کہاں کروں کہ کہیں سنگِ در نہیں

شاید اسی کا نام ہے مستیٔ ذوق و شوق
اپنا کوئی خیال بھی پیشِ نظر نہیں

ہر گام چل کے راہ میں رکتا ہوں اس لئے
دنیا یہ دیکھ لے کہ کوئی راہبر نہیں

بہزاد جس میں کھل نہ سکے غنچۂ مراد
وہ دشت کی سحر ہے چمن کی سحر نہیں

(۷۳)

بے کیفیوں کو کیف کی دنیا سمجھ لیا
ہم نے تو ہر ملال کو اپنا سمجھ لیا
ناصح خطا معاف ہمیں کیا سمجھ لیا
بیگانہ اس سے ہوں جسے اپنا سمجھ لیا
یہ تارکانِ عشق خرد کے اسیر ہیں
گلشن کو دشت پھول کو کانٹا سمجھ لیا
منزل کی آرزو ہے نہ جادے کا ہے خیال
ہم نے تو رہروی کو تماشا سمجھ لیا
کس درجہ حق شناس ہے میری جبینِ شوق
ہر نقشِ پائے ناز کو کعبہ سمجھ لیا
ہم عالمِ جنون و خرد سے گذر گئے
جب سے تری نظر کا تقاضا سمجھ لیا
بہزادؔ عشق کیا ہے تماشائے یک نفس
اس کو جہانِ شوق نے کیا کیا سمجھ لیا

(۷۴)

جب وہ منزل لطف فرمانے لگی
راہرو کو راہ یاد آنے لگی

چارۂ دردِ نہاں کا شکریہ
پر طبیعت اور گھبرانے لگی

چاک دامن ہے مرا یا چاک دل
کس پہ پھولوں کو ہنسی آنے لگی

یاد ہی میں بیٹھے بیٹھے کھو گیا
رفتہ رفتہ نیند سی آنے لگی

رہ گذر میں نقشِ پا ابھرے ہیں کیوں
کیوں جبینِ شوق ملچانے لگی

توبہ کو اک لمحہ بھی گذرا نہیں
توبہ توبہ پھر گھٹا چھانے لگی

دل کا عالم کیا بتاؤں عشق میں
یہ کلی کھلتے ہی مرجھانے لگی

چشم ساقی کی عنایت دیکھیے
ہائے مجھ پر بیخودی چھانے لگی

جس خلش پر ہے مدارِ زندگی
وہ خلش دن رات تڑپانے لگی

خواب تھا بہزادؔ ہر نقشِ فریب
اب سمجھ میں زندگی آنے لگی

(۷۵)

چمن چمن، روش روش بہار بن کے آیئے
جو گل ہیں بے قرار ہیں قرار بن کے آیئے

جمال کے ہزار رُخ ہزار رنگ ہیں مگر
جو ہو سکے تو عشق کا خُمار بن کے آیئے

کریم کے کرم کی انتہا نہیں ہے کچھ مگر
جو عفو چاہیئے تو شرمسار بن کے آیئے

اس انجمن میں جایئے یہ ضد ہے قلبِ زار کی
کسی کی چشمِ ناز کا شکار بن کے آیئے

وہاں نہ میکدہ نہ مے مگر وہ چشمِ مست ہے
وہاں جو جایئے تو بادہ خوار بن کے آیئے

چمن میں آ رہے ہیں تو فضا کا رنگ دیکھیے
نہ پھول بن کے آیئے نہ خار بن کے آیئے

خرد بھی جبکہ ہے جنوں یقیں بھی جبکہ ہے گماں
جو ہو سکے تو عین اعتبار بن کے آیئے

مری نظر تو مست ہے کوئی ادا ہو کوئی رنگ
گلوں کی التجا یہ ہے نکھار بن کے آیئے

مٹے کسی طرح سے تو یہ کشمکش حیات کی
جہانِ بے بسی میں اختیار بن کے آیئے

(۷۶)

گو عام ترا جلوہ نہ ہوا
پھر بھی یہ کوئی پردہ نہ ہوا
ہم خاک ہوئے، برباد ہوئے
جو کچھ بھی ہوا اچھا نہ ہوا
خود ہم نے نہ پی اپنی ہے خطا
ساقی کی طرف سے کیا نہ ہوا
بیکار ہی نکلا جذبِ وفا
دُنیا میں کوئی اپنا نہ ہوا
اس در پہ کہاں تھے ہوش بجا
ہم سے تو کوئی پردہ نہ ہوا
جب بزم میں آکر شمع جلی
بے تاب بہت پروانہ ہوا
تم ہوش گنوا بیٹھے اپنے
بہزادِ حزیں اچھا نہ ہوا

(۷۷)

مست آنکھوں میں ڈورے گلابی
اللہ اللہ، تری پُر شبابی
میرا ایماں تری مست نظریں
میرا قرآں یہ روئے کتابی
تو تو ساقی ہے، ساقی ہے، ساقی
ہم شرابی، شرابی، شرابی
سادگی میں بھی ہیں لاکھوں عالم
سو حجابوں میں ہے بے حجابی
دیکھ نظریں ہیں عالم کی حیراں
کر گئی کیا تری بے نقابی
سب پہ ظاہر تری بے مثالی
سب پہ روشن تری لاجوابی
تو نے بہزاد کو کیا پلائی
پُر سکوں ہے ترا اضطرابی



(۷۸)

ہم نے چمن میں جا کر یوں تیری جستجو کی
پھولوں سے رُخ پھرا کر کانٹوں سے گفتگو کی
اشکوں نے میرے بہہ کر یہ بات روبرو کی
چپ چاپ سب سنایا خاموش گفتگو کی
جو لطف تھا تڑپ میں تسکین میں کہاں تھا
ہم نے پہونچ کے ساحل طوفاں کی آرزو کی
ہم رندِ لااُبالی آئے ہیں تیرے در پر
اے پیرِ مَے پرستاں ہے آرزو سُبُو کی
تکلیف کر رہے ہیں کیوں راہبر بچارے
منزل کوئی نہیں ہے بربادِ آرزو کی
فصلِ خزاں جو آئی گلچیں یہ سوچتا ہے
کیوں دھجیاں اُڑی ہیں دامانِ رنگ و بو کی
بہزادؔ اس نظر کے قربان دین و ایماں
میرے ہی دل کو تاکا ظالم ذرا نہ چوکی

(۷۹)

یہ کس نے اُلٹ دی نقابِ چمن
کہ غنچہ بنا ہے جوابِ چمن
یہ کیا ہو گیا دشت میں آ گئے
ابھی ہم نے دیکھا ہے خوابِ چمن
کلی کا چٹخنا نہ سمجھو اِسے
پڑھی جا رہی ہے کتابِ چمن
چمن کا ہر اک پھول تبلائے گا
عنادل ہوئے ہیں خرابِ چمن
بہاروں سے کہہ دو کہ نازاں نہ ہوں
فقط چار دن ہے شبابِ چمن
مبارک ہو اے انقلابِ چمن
خزاں ہو گئی باریابِ چمن
جو بہزاد ہے چشمِ بلبل میں اشک
یہی ہے یہی آفتابِ چمن

(۸۰)

یوں چپ ہوں کہ یہ رازِ دگر کون کہے گا
جلووں کو ترے اپنی نظر کون کہے گا
کچھ اور ہے دنیا کے لئے ہوش کا عالم
اے بے صبری اس کو خبر کون کہے گا
حیرت میں ہوں ہر ذرہ پہ کیوں نیند ہے طاری
ہر شام کو پابندِ سحر کون کہے گا
دُنیا تو سمجھتی ہے کہ یہ جام ہے مئے کا
اس کو مرے ساقی کی نظر کون کہے گا
حیرت میں ہے رہبر بھی کہ منزل کی حقیقت
رہرو سے سرِ راہ گذر کون کہے گا
اتنا تو بتا دے ہمیں اے صاحبِ رحمت
گر ہو نہ خطا ہم کو بشر کون کہے گا
بہزاد میں سجدے میں ہوں یہ سبکو گماں ہے
اس یار کے قدموں پہ ہے سر کون کہے گا

(۷۱)

مزہ تو یہ ہے وہ خود بھی مرا عالم نہیں سمجھے
تبسّم میں ہے پنہاں موجۂ صد غم نہیں سمجھے

مری اُلجھن نہیں جاتی پریشانی نہیں جاتی
میں کہتا ہی رہا وہ گیسوئے پُر خم نہیں سمجھے

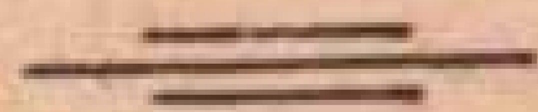
نہ ان کی داستاں پوری نہ اپنی داستاں پوری
کبھی کچھ وہ نہیں سمجھے کبھی کچھ ہم نہیں سمجھے

میں وہ رہرو ہوں جس کے پاس خود منزل پہنچتی ہے
مری ہے کون سی منزل یہ دو عالم نہیں سمجھے

کبھی تو خشک رہتے ہیں کبھی آنسو بہاتے ہیں
مرا مقصد ہے کیا یہ دیدۂ پُر نم نہیں سمجھے

محبت کی دو رنگی تک تو سب کی عقل جا پہنچی
جہاں والے مُرادِ شعلہ و شبنم نہیں سمجھے

نگاہیں سجدہ کرتی ہیں مری ہر وقت اے بہزاد
نظر والے مری نظروں کا یہ عالم نہیں سمجھے



(۷۲)

مرا دل عجیب دل ہے کہ ہے مست بھی تپاں بھی
سرِ منزلِ یقیں بھی سرِ منزلِ گماں بھی

سرِ انجمن سلامت یہ صدائے چنگ و مطرب
کہ اسی میں گونجتی ہے مرے غم کی داستاں بھی

مرے غم گسار ناصح میں تو جانتا ہوں اتنا
کہ جنوں کا ایک جزو ہیں یہ خرد پرستیاں بھی

سرِ چشم ہیں کچھ آنسو، پسِ چشم ہیں کچھ آنسو
ترا راز ہے یہاں بھی ترا راز ہے وہاں بھی

زہے عالمِ تصوّر کہ نہیں حدِ تعین
مرا حال کچھ نہ پوچھو میں یہاں بھی ہوں ہاں بھی

ترے نور سے منوّر ترے عکس سے درخشاں
یہ زمیں بھی آسماں بھی یہ مکاں بھی لامکاں بھی

ہے وہاں بھی قیدِ امکاں ہے یہاں بھی قیدِ لبتاں
مرے واسطے تو یکساں ہے قفس بھی آشیاں بھی

(۸۳)

مست ان کو دیکھ کر میری نظر ہوتی رہی
دونوں عالم کی خبر سے بے خبر ہوتی رہی
روک پائی ان کی تابانی نہ خود ان کی نقاب
شام کے پردے ہی سے پیدا سحر ہوتی رہی
ہم نے جب اپنی نگاہِ بے محابا روک لی
ان کی صورت ہر قدم پر جلوہ گر ہوتی رہی
تیرے رہرو الغرض منزل نہ اپنی پا سکے
ہر قدم پیدا نئی اک رہگذر ہوتی رہی
جس طرح ساحل پہ کٹتے ہیں سکوں سے رات دن
اس طرح اپنی تو طوفاں میں گذر ہوتی رہی
جب ہر ایک امید ٹوٹی جب مٹی ہر آرزو
دل کو اک تسکیں بہ اندازِ دگر ہوتی رہی
زندگی کے باب میں بہزاد مضطر کیا کہیں
ہم بسر کرتے رہے یا خود بسر ہوتی رہی



(۸۴)

وہ صبحِ امید اور یہ شام اللہ اللہ
ہمہ رنگ اور ایک جام اللہ اللہ

صبا تیرے صدقے کہاں سے اڑا لی
یہ اُن کی ادائے خرام اللہ اللہ

زنطقِ تمنّا حدیثِ محبت
کلیم اللہ اللہ کلام اللہ اللہ

ہر اک گام جلوہ ہر اک گام حیرت
سرِ راہ یہ اہتمام اللہ اللہ

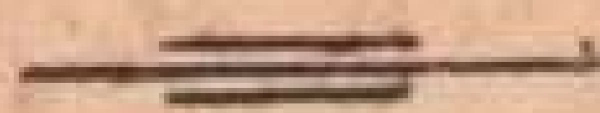
حقیقت گماں بیخودی کیف و مستی
محبت کے لاکھوں ہیں نام اللہ اللہ

مری آہِ ناکام اللہ اکبر
مرا نالۂ ناتمام اللہ اللہ

فروغ درِ یار بہزاد نکلا
مرا سجدۂ بے قیام اللہ اللہ

(۸۵)

پلکوں پہ نمایاں ہے یوں ہی اشک ہمارا
جیسے کہ چمکتا ہے سرِ چرخ ستارا
تھا روزِ ازل ہی سے ہمیں جس کا سہارا
پیدا ہوا پھر دل میں وہی دردِ گوارا
اے کھیلنے والو تمھیں اس کی بھی خبر ہے
بازیِ محبت کو جو جیتا وہی ہارا
اللہ عجب چیز ہے موجوں کا تلاطم
جیسے کوئی کرتا ہوا اشارے پہ اشارا
مجھ کو ترے قدموں میں جو تسکین ملی ہے
شاید مری قسمت کو نہیں یہ بھی گوارا
تم نے تو مجھے دل سے بھلا بھی دیا کب کا
اب تک ہے مرے وردِ زباں نام تمھارا
بہزاد مرے کان میں آتی ہیں صدائیں
جیسے کہ کسی نے مجھے گھبرا کے پکارا



(۸۶)

مے کدہ بن کے وہ اٹھتی ہے نظر کیا ہو گا
پی تو لوں گا مرے اللہ مگر کیا ہو گا

میری دُنیا مرے عالم میں گماں ہے نہ یقیں
شام کیا رنگ دکھائے گی سحر کیا ہو گا

اب تو جلوؤں میں پھنسا ہے دلِ دیدار طلب
اس کی کیا فکر کہ انجام نظر کیا ہو گا

مَیں شبِ ہجر کی ظلمت سے ہوں سرگرم کلام
کس لئے آئی ہے تنویرِ سحر کیا ہو گا

کعبہ کہدوں کہ کلیسا کہ صنم خانہ کہ دَیر
سوچتا ہوں یہی اکثر ترا در کیا ہو گا

نالہ کرنا نہیں دشوار مگر نالہ کناں
پہلے یہ سوچ کہ انجام اثر کیا ہو گا

دل بھی تیار ہے سجدوں کیلئے اور سر بھی
کس کو معلوم سرِ راہ گذر کیا ہو گا

ترے اکرام کے صدقے تری رحمت کے نثار
تجھ کو معلوم تھا خود ہی کہ بشر کیا ہو گا

اب تو بے قید مکاں کرتے ہو سجدے بہزاد
کعبہ کیا ہو گا بھلا دوست کا در کیا ہو گا

(۸۷)

جب عشق کا دامن تھام لیا ہر روز نئی افتاد سہی
بجلی نہ سہی طوفان سہی گلچیں نہ سہی صیاد سہی
ہے عشق کا ہر عالم اچھا نغمہ نہ سہی فریاد سہی
پابند ہے دل پابند سہی آزاد ہو دل آزاد سہی
تم دل کی حقیقت میں نہ پڑو برباد ہو دل برباد سہی
جو اپنا ہی عالم بھول چکا شاداں نہ سہی ناشاد سہی
تو راز کو اپنے فاش نہ کر رہنے دے یہیں تک میری نظر
میں تجھ کو سمجھتا ہوں دل میں تو اور کہیں آباد سہی
تخریب میں ہے تعمیر یہاں اس بات کو دنیا کیا جانے
برباد مجھے جو کہتے ہیں میں ان کے لئے برباد سہی
تو عرش نشیں میں فرش نشیں تو سجدہ طلب میں سر بہ جبیں
آباد ہے تو آباد سہی برباد ہوں میں برباد سہی
مانا کہ یہ میرا غم خانہ لائق ترے قدموں کے تو نہیں
اے عشق کرم ہوگا تیرا اک اور بھی گھر آباد سہی

(۷۸)

سوز کی جب طلب ہوئی دامنِ ساز کے لئے
کعبے تمھیں تو بن گئے میری نماز کے لئے
کیسا سکوں، کہاں کا چین، صبح کی آرزو نہیں
ہائے تڑپ رہا ہوں میں شامِ دراز کے لئے
اے مری چشمِ اشتیاق حدِ ادب نہ چھوڑنا
خود ہی حقیقت آگئی دورِ مجاز کے لئے
دیر گیا حرم گیا دشت گیا، چمن گیا
ہائے پھرا کہاں کہاں دل کی نماز کے لئے
اس سے سکوں نہ مانگ دل کیفِ دروں مانگ دل
یہ کوئی شعبدہ بھی ہو شعبدہ باز کے لئے
پھر بڑھیں بے قراریاں پھر بڑھا اضطراب دل
کس کو مری تلاش ہے عشوۂ ناز کے لئے
میرا مآل دیکھنا، عالمِ حال دیکھنا
خود بھی بنا ہوں راز میں اپنے ہی راز کے لئے

(٨٩)

ستانے والے یہ اک بات ہے بتانے کی
ہمیں تو غم میں بھی عادت ہے مسکرانے کی
جو حال ہے مرا صیّاد کو نہیں معلوم
قفس میں سنتا ہوں فریاد آشیانے کی
مجھے یہ خوف ہے وہ آ نہ جائیں گھبرا کر
کوئی ملا نہ دے کڑیاں مرے فسانے کی
جبینِ شوق کی مستی کا پوچھنا کیا ہے
نظر میں رہتی ہے تصویر آستانے کی
مرے ملال میں شاید خوشی کا رنگ آیا
نگاہ اٹھنے لگی کیوں ادھر زمانے کی
نہ راہزن ہے کوئی اور نہ رہنما کوئی
نئی یہ راہ نکالی ہے آزمانے کی
اسی سے آنکھ میں بہزاد اشک بھر آئے
جو سن لیا کہ ضرورت ہے مسکرانے کی



(۹۰)

یہ زمانہ بھی خوب عالم ہے
نہ تو کوئی خوشی نہ کچھ غم ہے

ہے مری طرح آسماں گریاں
اس کے اشکوں کا نام شبنم ہے

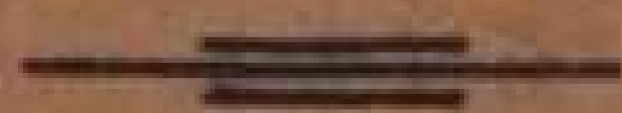
ہے تصور میں آستاں تیرا
ہر قدم پر مری جبیں خم ہے

جس کو دنیا سکون کہتی ہے
یہ بھی بےتابیوں کا عالم ہے

اور بھی داغ اے محبت دے
روشنی دل میں ہے مگر کم ہے

ظلمتیں چھا رہی ہیں عالم پر
زلفِ مشکینِ دوست برہم ہے

قدر کرتا ہوں اس لئے دل کی
یہی بہزادؔ میرا ہمدم ہے



(۹۱)

ہر سمت سکونِ دل و جاں ڈھونڈھ رہا ہوں
یعنی کہ خود اپنا ہی نشاں ڈھونڈھ رہا ہوں

افسانہ جو سننے کو وہ آئے ہیں سرِ بزم
کہنے کے لئے اپنی زباں ڈھونڈھ رہا ہوں

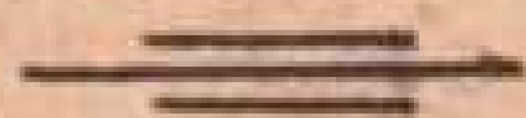
مے کش کو تو ہے جستجوئے ساغر و مینا
اور میں گلۂ پیرِ مغاں ڈھونڈھ رہا ہوں

اے ذوقِ پرستش وہ مرے ہوش کہاں ہیں
سجدوں کے لئے کوئے بتاں ڈھونڈھ رہا ہوں

یہ ہوش کا عالم ہے کہ مدہوشی کا عالم
ہوں خود بھی وہیں خود کو جہاں ڈھونڈھ رہا ہوں

غم پایا تو آلامِ دو عالم کی طلب ہے
اب سلسلۂ خوابِ گراں ڈھونڈھ رہا ہوں

یہ چیز اگر ہے تو کسی شوخ نظر میں
بہزاد محبت کو کہاں ڈھونڈھ رہا ہوں



(۹۴)

صبح بھی مثلِ شام ہی نکلی
زندگی غم کا نام ہی نکلی

آفریں باد جذبہ ناکامی
آہ بھی ناتمام ہی نکلی

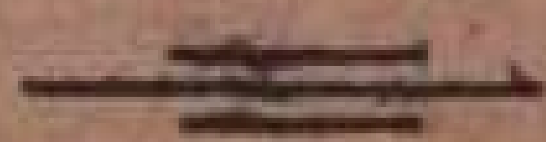
ہم گرفتار ہیں مصیبت میں
راحت اوروں کے نام ہی نکلی

ہائے قسمت نے کردیا مجبور
تیغ یہ بے نیام ہی نکلی

سرِ منزل پہونچ گیا ہوں میں
جستجو تیز گام ہی نکلی

نامرادی کا سحر بھی ٹوٹا
آرزو شاد کام ہی نکلی

ہم غلط فہمیوں میں تھے بہزاد
آہ ان کا پیام ہی نکلی



(۹۳)

ترے زلف و رخ کا یہ رنگیں نظام
انھیں سے ہیں روشن مرے صبح و شام
مبارک مبارک ہٹی خود نقاب
نگاہوں کو ملنے لگا اذن عام
میں کیوں راہبر تجھ کو تکلیف دوں
مری منزلِ شوق ہے چند گام
وہ اٹھی وہ اٹھی کسی کی نظر
وہ آیا، وہ آیا کسی کا پیام
نہ اپنی خبر ہے نہ دل کی خبر
محبت نے بخشے عجب صبح و شام
نہیں ہیں تو ساقی بھی ہے مضطرب
سُنا مے کدہ میں مچلتا ہے جام
ہے بے خود سا بہزاد مضطر مگر
ہے اس کے لبوں پر تمہارا ہی نام



(۹۴)

تم مجھ میں نمایاں ہو میں تم میں نمایاں ہوں
تم آئینہ پیکر ہو میں آئینہ ساماں ہوں
اب ہوش مرے گم ہیں اب مانند ہو میں نظریں
کچھ دیر سے حیرت ہے کچھ دیر سے حیراں ہوں
یہ کونسا عالم ہے اے چشم کرم پیشہ
تسکیں ہے نہ مضطر ہوں حیرا ہوش گریاں ہوں
شاید کہ سمجھ جائے کوئی دلِ وارفتہ
تعبیر بھی میں خود ہوں خود خوابِ پریشاں ہوں
اللہ ری کیفیت خود درد ہوں میں اپنا
اللہ رے مرا عالم خود درد کا درماں ہوں
ہے بھید بھی میرا ہی ہے راز بھی میرا ہی
میں خود ہی معمہ ہوں خود سر بہ گریباں ہوں
بہزاد مرا عالم کب سمجھے گی یہ دُنیا
خود آپ ہی سنتا ہوں خود آپ غزلخواں ہوں

(۹۵)

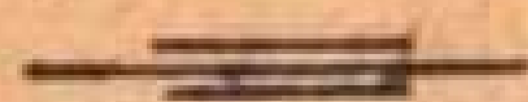
میری حیاتِ عشق اور بھی بلند ہو چلی
جگر میں درد بڑھ گیا خلش دوچند ہو چلی
مری مرادِ مے کشی جو بہرہ مند ہو چلی
فضائے مے کدہ بھی آہ بند بند ہو چلی
یہ بے بسی کی کیفیت یہ الجھنوں کی زندگی
فقط وہ دیکھتے ہیں یہ کسے پسند ہو چلی
تڑپ رہا ہے راہزن ترس رہا ہے راہبر
یہ سن رہا ہوں رہروی بھی ارجمند ہو چلی
کمالِ شوق دیکھیے فسونِ ذوق دیکھیے
نگاہِ نازِ دوست بھی مُراد مند ہو چلی
بھٹک بھٹک کے دیکھیے حدِ یقیں میں آ گیا
مجھے تو لذتِ گماں بھی سود مند ہو چلی
نظر کا کام اور ہے کہیں یہ جلوہ ہو نہ ہو
یہ کیا ہوا نگاہِ شوق پائے بند ہو چلی
مرے لئے تو کچھ نہیں گلوں کا دامِ رنگ و بو
مری بہارِ زندگی خزاں پسند ہو چلی

(۹۶)

مرے رُخ سے ہے نمایاں مرا رنگ زندگانی
نہ کہیں یہ مسکراہٹ، نہ کہیں یہ شادمانی
مَیں ترے نثار تو نے سُنی تو مری کہانی
یہ صدائے بے صدائی یہ زبان بے زبانی
جو تمھیں ہے کچھ بھی سُننا تو سنو مری زبانی
مرے اشک کیا کریں گے مرے غم کی ترجمانی
مری داستاں میں کیا ہے مرے درد و غم کا قصّہ
نہ سُنو مرا فسانہ، نہ سُنو مری کہانی
تجھے راز کیا بتاؤں میں جہانِ عاشقی کا
ترا حسُن چار دن کا مرا عِشق جاودانی
ذرا آندھیوں سے کہدو کہ نہ تیز تیز آئیں
کہیں تھرتھرا نہ اُٹھے مری شمع زندگانی
مرے دل کا گوشہ گوشہ جو تجلیوں سے پُر ہے
رہے داغِ غم سلامت ہے اِسی کی ضو فشانی

(۹۷)

تیرا شیدا غمِ کونین سے بیگانہ رہا
ہوش آیا بھی تو دیوانے کا دیوانہ رہا
یہ حقیقت ہے کہ تا عمر میں دیوانہ رہا
ہر گھڑی پیشِ نظر جلوۂ جانانہ رہا
اک مری آہ نے دونوں کے بھرم کو کھولا
نہ حقیقت رہی باقی نہ تو افسانہ رہا
عشق کو کون سمجھتا ہے کہ باقی یہ نہیں
بعد جلنے کے بھی یونہی پر پروانہ رہا
آئی بھی فصلِ بہاری تو ہوا کیا حاصل
سارے گلشن سے الگ سبزۂ بیگانہ رہا
یوں تو سو بار گھٹا چھائی زمانے پہ مگر
وہی ساقی وہی میکش وہی پیمانہ رہا
دیکھتا مجھ کو توجہ سے کوئی کیا بہزاد
یہ حقیقت ہے مرا حال فقیرانہ رہا



(۹۸)

میں نے جو کہا ہوش پہ آخر مرا بس کیا
کچھ سوچ رہا ہے مرا ہم رازِ نفس کیا

وہ میرا تماشہ نہ بنیں اُن کی عنایت
سچ تو یہ ہے اے جذبِ محبت ترا بس کیا

جلووں کو چُرا لایا ہوں آنکھوں میں اٹھا کر
اب مجھ سے کہیں گے بھلا اربابِ ہوس کیا

گلشن ہے، نہ صحرا ہے، نہ بجلی، نہ نشیمن
ہیں خواب کے عالم میں اسیرانِ قفس کیا

میں سوچ رہا ہوں کہ میں تنہا تو نہیں ہوں
قدموں میں مرے کھو گئی آوازِ جرس کیا

قدموں پہ ترے جھک کے ملے دونوں ہی عالم
ورنہ میں سمجھتا تھا کہ میں کیا مرا بس کیا

اک سانس پیامی ہے تو اک سانس سلامی
بہزادِ حزیں اور ہے تسبیحِ نفس کیا

(۹۹)

وہ اپنا رُخ دکھا کے جو مستور ہو گیا
دل میرا آہ کرنے پہ مجبور ہو گیا
اے عشقِ کامیاب ترے فیض کے نثار
سرمدؒ کوئی بنا کوئی منصورؒ ہو گیا
دولت سے کم نہیں ہے ترا غم، ترا اَلم
یہ جس کو مل گیا ہے وہ مسرور ہو گیا
کھو دیتا کس طرح سے بھلا رہروی کا لطف
منزل قریب آئی تو میں دور ہو گیا
میری طرف اٹھی جو کسی کی نگاہِ ناز
دل بے کہے تڑپنے پہ مجبور ہو گیا
کچھ دیر تو سکوں سا ملا ذکرِ دوست سے
پھر عالمِ خیال بدستور ہو گیا
ہے شاعری کا وزن نہ فکر و خیال کا
بہزادؔ تیرے عشق سے مشہور ہو گیا

(۱۰۰)

مری شبِ انتظار نذرِ سحر ہو گئی
آ گئے گھبرا کے وہ ان کو خبر ہو گئی

گو تھا بہت غم کا جوش پھر بھی رہا میں خموش
راز مگر کھل گیا آنکھ جو تر ہو گئی

اپنی حکایت ہی کیا ان کی شکایت ہی کیا
زیست کا کیا پوچھنا زیست بسر ہو گئی

ان کی جو اٹھی نگاہ نکلی زباں سے اک آہ
بات نہیں بھی ہوئی بات مگر ہو گئی

اس کو نہیں ہے سکوں یہ ہے شکارِ جنوں
میرے دلِ زار کو کس کی نظر ہو گئی

کہتے ہیں اس کو نماز ہائے دفورِ نیاز
میری جبیں خود بخود جانبِ در ہو گئی

تھا یہ خلافِ ادب آپ کو دیکھا کیا
مجھ سے خطا یہ ضرور بارِ دگر ہو گئی

کہکشاں (باتصویر)

ملکہ کوہستان نینی تال کی پُر فضا گھاٹیوں اور چوٹیوں کے پس منظر نسیم انہونوی نے اس ناول میں ایک ایسی کہانی پیش کی ہو جسمیں مشرقی ومغربی تہذیب کی زبردست ٹکر ہوئی حسن وعشق کی پرلطف اور پرزور کہانی اتنی جذباتی اتنی اصلاحی اور اتنی اخلاقی ہے کہ ہر پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا دورِ حاضر میں جتنے بھی ناول اردو میں لکھے گئے ہیں کہکشاں سے زیادہ شہرت ومقبولیت کسی ناول کو نہ حاصل ہوسکی، ہر ماں بہن بیٹی بہو کے مطالعہ کے قابل ہے۔

قیمت مجلد پانچ روپے

آخری کہانی

نسیم انہونوی کے افسانوں کا مجموعہ جس میں سابقہ اور حالیہ افسانوں کا انتخاب شامل ہو، یہ تمام افسانے نہ صرف اصلاحی بلکہ سبق آموز بھی ہیں،

قیمت دو روپے

طرزِ زندگی

نسیم انہونوی کا پہلا ناول جسے پڑھنے کے بعد رسائل واخبارات نے لکھا تھا کہ یہ کتاب لڑکیوں کو جہیز میں دینے کے قابل ہو، ایک معصوم لڑکی کی داستان حیات جس نے محبت کی لیکن کامیاب نہ ہوسکی، پھر بھی نہ اس نے جان دے دی نہ اس کے قدموں میں کوئی لغزش ہوئی۔

قیمت ڈھائی روپے

خان محبوب طرزی کے تاریخی ناول

صبح اُندلس

(خان محبوب طرزی کا ایک ولولہ انگیز اسلامی تاریخی ناول)

مسلمانوں کی اٹھتی ہوئی جوانی کے اس دور کی ایک داستان جب وہ حق کی مشعلیں لئے افریقہ کے کوہساروں ریگزاروں اور ساحلی میدانوں کو پھاندتے اور روندتے اور کفر کی ظلمتوں کو دُور کرتے ہوئے اندولسیہ کے مرغزاروں میں سپیدۂ سحر کی طرح ایک نئی صبح کا پیغام لے کر پہونچے خان محبوب طرزی نے اپنے اس تاریخی ناول میں اسلامی فتوحات کی دل کش تصویر کھینچی ہے۔ قیمت چار روپے

حور اندلس

مجاہد اعظم حضرت موسیٰ بن نصیر کا ہسپانیہ میں فاتحانہ داخلہ اشبیلیہ اور محاورہ کا محاصرہ اور مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا ایک انمول تاریخی مرقع، حیرت انگیز اور پراسرار رومانی ناول۔ محبوب طرزی کی ایک تاریخی تصنیف۔ قیمت پانچ روپیہ

شباب قرطبہ

قرطبہ کے عروج کی دور کی ایک سچی کہانی امیرالمومنین عبدالرحمن الناصرالدین کے دربار کی شان وعظمت، قرطبہ کی ترقی اور اس دَور کے ایک رومانی واقعہ کو خان محبوب طرزی نے اپنے خاص رنگ میں لکھا ہے

قیمت پانچ روپے

مائل ملیح آبادی کے تاریخی ناول

ہجرت ہندوستان کے منفرد ناول نویس مائل ملیح آبادی کا اسلامی تاریخی شاہکار رسول پاکؐ حضرت محمدؐ سے متعلق افسانوی رنگ میں اتنی موثر کتاب آپ نے آج تک ملاحظہ نہ فرمائی ہوگی، مائل صاحب نے اس متبرک کتاب میں رسول پاک کو ایک انسان کی حیثیت سے پیش کر کے مسلمانوں سے نہیں دنیا کے تمام لوگوں سے پوچھا ہے کہ کیا کسی کو ان کی بزرگی سے انکار ہو سکتا ہے، قیمت تین روپے آٹھ آنے۔

کعبہ سے کربلا تک سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام سے دنیا کا بچہ بچہ واقف ہو لیکن کربلا میں رسول پاک کا یہ نواسا کیوں شہید ہوا کیسے شہید ہوا، کون کون حق کے طرفدار رہے کون باطل کے تفصیلاً کم ہی لوگوں کو معلوم ہیں، مائل صاحب نے اس مختصر کتاب میں حالات کربلا کو جس وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہو اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ قیمت تین روپے۔

مرگ یزید قاتلان حسین سے محبان اہل بیت کا خوفناک انتقام، تاریخ اسلام کے وہ اوراق جن کا مطالعہ کم ہی لوگوں نے کیا ہوگا، حق پرستوں کی وہ آواز جو تیرہ سو سال قبل مدینہ سے مدائن اور بیت المقدس سے بصرہ تک بلند ہوئی تھی مائل صاحب نے اس کتاب کے ذریعے وہی آواز عام مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے کربلا میں شہید ہونے والے حسین اور ان کے ساتھیوں سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ہی ان لعینوں کا انجام بھی معلوم کرنے کے لئے ہر مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے



Rs. 5/-

ly CoverPrinted at Suraj Printing Press, Lucknow